ماہنامہ

انوار مدینہ

لاہور

بلغ العلیٰ بکمالہ
کشف الدجیٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ
صلوا علیہ وآلہ

نگرانِ اعلیٰ

حضرۃ مولانا سید حامد میاں مدظلہ مہتمم و شیخ الحدیث جامعہ مدنیہ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ

انوارِ مدینہ

جلد : ۲ شمارہ : ۱۲

ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ ○ جون ۱۹۷۲ء

مُدیر اعزازی
پروفیسر یوسف سلیم چشتی

○

مدیر معاون
حبیب الرحمن اشرف

مدیر: حبیب الرحمن اشرف
ناظم جامعہ مدنیہ لاہور

بدل اشتراک : سالانہ سات روپے طلبہ کیلئے پانچ روپے فی پرچہ ۶۵ پیسے

○

جامعہ مدنیہ ○ کریم پارک ○ راوی روڈ ○ لاہور

اس شمارے میں

اداریہ		۳
سیرۃ نبویؐ اور مستشرقین	حضرت مولانا شمس الحق افغانی مدظلہ	۷
اولٰئک ہم الراشدون	حضرت مولانا سیّد محمد میاں مدظلہ	۱۰
تاثیرات القرآن	(حضرت مدنی کی تحریرات سے)	۲۱
دعاء کی افادیت و اہمیت	حضرت مولانا محمد اجمل مدظلہ	۲۶
دیارِ مدینہ	مسلم غازی آبادی	۳۳
الشفاء الخ	محترم نور محمد غفاری	۳۴
قال النبیؐ	مولوی محمد عظیم بلوچستانی	۴۱
حضرت مولانا عبداللہ لدھیانوی	مولانا احمد صاحب	۴۳
غم کے چند آنسو	حضرت مولانا محمد موسیٰ مدظلہ	۴۷
اقتصادی اور سیاسی مسائل	حضرت مولانا سیّد محمد میاں مدظلہ	۴۸
غزل	جناب سید امین گیلانی	۵۶

سیّد حامد میاں مہتمم جامعہ مدنیہ طابع و ناشر نے مکتبۂ جدید پریس لاہور سے چھپوا کر

دفتر ماہنامہ انوارِ مدینہ، جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

دینِ اسلام وہ نعمت ہے جس سے بڑی کوئی نعمت نہیں۔ یہی وہ مینارۂ ہدایت ہے جو جن و انس کا مطلوب مقصود ہے۔ یہی وہ بلندی ہے جس کے سامنے جبالِ عز و شرف سر جھکاتے ہیں۔ یہی وہ خدا کی رسی ہے جسے تھامے رہنے سے ہم میں یکجہتی اور تعاونِ باہمی قائم رہ سکتا ہے اور دنیا و آخرت کی فلاح حاصل ہو سکتی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم عقائدِ اسلام رکھتے ہیں، وہ اپنے فضل سے عمل کی بھی توفیق دے۔

ہم آج کے اداریہ میں سب سے پہلے صدرِ پاکستان ذوالفقار علی بھٹو کو مبارکباد پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے پاکستان کو ایک عظیم داخلی خلفشار سے بچا لیا۔ انہوں نے تدبر اور فراخ حوصلگی کا ثبوت دیا اور جمعیۃ و نیپ پر اعتماد کر کے انہیں حکومت میں لے لیا۔ ہمیں امید ہے کہ ان کے تدبر، فراست اور عوام کے مطالبات اور انکی خواہشات کا احترام و لحاظ کرنے کے باعث مقبولیت حاصل ہو گی اور وہ عوام کا مزید اعتماد حاصل کر لیں گے اور ملک میں مضبوط حکومت قائم کرنے اور صحیح معنیٰ میں جمہوریت لانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

وہ دن اسلامیانِ پاکستان کے لیے نہایت مسرت خیز تھا جس دن ایک جید عالم۔ زیرک و دانا اور متقی شخص حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہٗ پاکستان کے ایک صوبہ (سرحد) کی وزارتِ علیا کے عہدے پر فائز ہوئے۔ حضرت مفتی صاحب کی قیادت میں جمعیۃ علماء اسلام نے اسلامی نظامِ حیات کے نفاذ کے لیے جو بے پناہ جدوجہد کی ہے۔ خدا کے فضل سے وہ مشکور ہوتی نظر آ رہی ہے اور ہمیں امید ہے کہ حضرت مفتی صاحب کی زیرِ قیادت صوبہ سرحد میں اسلامی اقدار کا بول بالا ہو گا، اسلامی احکام کا نفاذ ہو گا اور پورا صوبہ اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کی روشنی سے جگمگا اٹھے گا اور اس طرح وہ پاکستان کا ایک مثالی صوبہ بن جائے گا۔

حضرت مفتی صاحب نے عہدہ سنبھالنے کے ساتھ ہی ام الخبائث (شراب) پر پابندی عاید کرنے کا اعلان فرما دیا۔ ان کے اس نیک اور جرأت مندانہ اقدام سے تمام مسلمانانِ پاکستان کو بیحد مسرّت ہوئی ہے، کیونکہ ہر مسلمان یہ

جانتا ہے کہ اسلام نے شراب کو اس کی گوناگوں مضرات کی وجہ سے حرام قرار دیا ہے۔ نیز ملک کی موجودہ زبوں حالی میں شراب کا بڑا حصہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک عرصہ سے ملک بھر میں اس پر پابندی لگانے کا مطالبہ شدت اختیار کر چکا ہے۔ اور بارہا اس کے خلاف مظاہرے ہوتے رہے ہیں اور جلوس نکالے جاتے رہے ہیں۔

ہم حضرت مفتی صاحب کو وزارت علیا پر فائز ہونے اور اس شاندار اقدام پر تہہ دل سے مبارک باد پیش کرتے ہیں اور توقع رکھتے ہیں کہ وہ بلا تاخیر اس قسم کے اور بھی نیک اقدامات فرما کر مسلمانانِ ملک کی ان امیدوں پر پورا اتریں گے جو انہوں نے ان سے وابستہ کر رکھی ہیں۔

اب سے تقریباً ڈیڑھ سو سال پہلے حضرت سید احمد شہید قدس اللہ سرہ العزیز نے اس علاقہ میں اسلامی حکومت قائم فرمائی تھی۔ اس کے بعد بغاوتوں نے اس سرزمین کو ان کے خون سے رنگ دیا، لیکن یہ خون رنگ لایا اور اسی علاقہ کے لوگ بکثرت فضلاء دار العلوم دیوبند ہوئے، وہ دار العلوم دیوبند جو حضرت سید احمد شہید بلکہ خاندان ولی اللّٰہی اور خاندانِ مجددی وغیرہم کے جانشینوں کا سب سے بڑا مرکز ہے اور ان ہی حضرات کی مقبولیت سے آج یہ ثمرات مرتب ہوئے۔ اسلامی طرز کی حکومت کا آغاز ہوا۔ جو یقیناً پورے پاکستان کے لیے قابلِ تقلید اور پورے برصغیر کے لیے قابلِ رشک ہے۔

عمر عزیز رفت بیا تا قضا کنیم — وقتے کہ بے حضور صراحی و جام رفت

اللہ تعالیٰ ان کو توفیق دے کہ وہ اسلامی آئین نافذ کریں اور خدا کرے ان کی حکومت ہر قسم کی سازش سے محفوظ رہے اور ہم سب کو بھی اپنے اپنے علاقوں میں اسے اپنانے کی توفیق عنایت ہو اور اس کی برکات سے ہم سب متمتع ہوں۔ ع ایں دعاء از من و از جملہ جہاں آمین باد

جمعۃ المبارک ماہ مئی کی ۵ تاریخ کو مسلمانِ پاکستان کا شاہی باغ پشاور میں ایک فقید المثال اجتماع ہوا تھا۔ شاہی باغ پشاور کا سب سے بڑا میدان ہے۔ اس دن پشاور کی تمام سڑکیں اور گلیاں لوگوں کی کثرت سے بھری پڑی تھیں کہ چلنا مشکل ہوتا تھا۔ شہر پشاور جتنے آدمیوں کی مہمان نوازی کر سکتا ہے یہ حضرات اس سے زیادہ تھے اس لیے ہوٹلوں کا سامان ناکافی ہو گیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اخبارات کا رویہ کیوں ایسا افسوسناک رہا کہ لاکھوں افراد کو انہوں نے "ہزاروں" کے لفظ سے تعبیر کیا۔ غرض یہ اجتماع اسلامی دورِ حکومت کی طرف ایک قدم تھا اور لوگوں کی کثرت سے شمولیت اسلام کی سربلندی اور اس کے دلوں میں جاگزیں ہونے کی شہادت دے رہی تھی۔

حق تعالیٰ نے قرآن حکیم میں (سورۂ روم میں) ارشاد فرمایا ہے کہ اس کی قدرت کی نشانی ہے کہ زبانیں اور رنگ روپ جدا جدا پیدا کیے گئے ہیں۔ نیز دوسری جگہ سورۂ ابراہیم میں ارشاد ہے کہ ہم نے ہر نبی کو اسکی اپنی قوم کی زبان میں احکام دیکر بھیجا۔ اس لیے بلا شبہ ہر زبان خدا کی قدرت کی نشانی ہے اور اہلِ زبان کے لیے بے پڑھے لکھے بھی تعبیر مفہوم کا آسان ذریعہ ہوتی ہے، لیکن پاکستان میں جس کثرت سے رسائل و اخبارات علوم مضامین اردو زبان میں ہیں اس سے زیادہ کسی مقامی زبان میں نہیں ہیں اور یہی بین الصوبائی زبان کہلا سکتی ہے کہ ہر صوبہ میں سمجھی جا سکتی ہے اور شاہان مغلیہ کے دور میں فارسی کے درجہ کی زبان ہے نیز منحوس ترین زبانِ انگریز کا بھی بدل ہے۔

جناب غوث بخش بزنجو کی حریت پسندی پر ہم انہیں داد اور مبارکباد دیتے ہیں کہ انہوں نے عنانِ حکومت ہاتھ میں آتے ہی اس ذہنی غلامی کی زنجیر کو توڑ پھینکا اور انگریزی کی ذہنی برتری کو برطرف کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کیا۔

ع　ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

عنقریب اسی طرح کا اعلان حضرت مفتی محمود صاحب وزیر اعلیٰ سرحد بھی کرنے والے ہیں، لیکن اس اقدام کے ساتھ فوراً اس کا بھی انتظام ہونا چاہیئے کہ تمام مروجہ علوم و فنون اردو زبان میں منتقل کر دیئے جائیں تاکہ علمی خلاء پیدا ہوئے بغیر تعلیمی سلسلے جاری رہیں۔

ہم گورنر سرحد جناب ارباب سکندر خاں اور وزیر اعلیٰ جناب مفتی محمود صاحب کی توجہ اس امر کی طرف بھی مبذول کرانی ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ طے کر دیں کہ پشاور یونیورسٹی فضلاء دار العلوم دیوبند اور فضلاء وفاق المدارس العربیہ پاکستان کو اپنے ایم اے کے مساوی تسلیم کر لے۔ نیز طلبۂ علوم عربیہ کے لیے جو ملک کے عربی مدارس میں تعلیم حاصل کرتے ہیں، بغیر انگریزی زبان کے فارسی عربی اور اسلامیات کے بی اے اور ایم اے کے امتحانات دینے کی اجازت دی جائے۔ اس سے ایک طرف ان طلبہ کو ان کا جائز حق مل سکے گا اور دوسری طرف سے حکومت کی نیک نامی ہو گی۔

حضرت مولانا السید فخر الدین صاحب نور اللہ مرقدہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ کے رہنے والے تھے علوم متداولہ میں عظیم دسترس حاصل تھی۔ خداوند کریم نے انکو نہایت اعلیٰ دماغ بخشا تھا۔ آپ نے دار العلوم دیوبند سے حضرت مولانا انور شاہ صاحب

قدس سرہٗ کے ابتدائی دَور میں فراغت حاصل کی۔ زمانہ طالب علمی میں یہ حال تھا کہ غالباً حمداللہ کے طلبہ کو تکرار کرایا کرتے تھے تو آپ کے یہاں ان طلبہ سے زیادہ طلبہ ہو جایا کرتے تھے۔ کہ جتنے اصل سبق میں (مدرس دارالعلوم دیوبند) کے پاس ہوتے تھے اس کا سبب علمی استعداد میں پختگی کے سوا سلاست اور طلاقت لسانی بھی تھی، جو خداداد تھی۔

فراغت کے بعد آپ نے جامعہ قاسمیہ مراد آباد میں تدریسی فرائض انجام دینے شروع کیے، جامعہ قاسمیہ مراد آباد حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ نے قائم فرمایا تھا۔ حضرت نے جب یہ شروع کیا تو کسی مسافر نے سب سے پہلے اعانت میں حصہ لیا۔ اس لیے آپ نے اس کا نام "مدرسۃ الغرباء" تجویز فرمایا، لیکن چونکہ بانی حضرت نانوتوی قدس سرہٗ تھے اس لیے اسے مدرسۃ الغرباء کے ساتھ "جامعہ قاسمیہ" بھی کہا جاتا ہے اور یہی دونوں نام وہاں کندہ ہیں۔

حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کے ساتھ وہاں قاضی صدرا تصریح وغیرہ سب اہم کتابیں بھی بارہا پڑھائیں (حتیٰ کہ وہاں حضرت مولانا عجب نور صاحب مدظلہم جو بنوں کے رہنے والے تھے تشریف لاتے)۔

مولانا موصوف مدظلہم نے وہاں تقریباً تیس سال درس بخاری دیا۔ پھر آخر میں حضرت شیخ العرب والعجم مولانا السید حسین احمد المدنی قدس سرہٗ نے اپنی وفات کے وقت درس بخاری کے لیے طلب فرمایا تو وہاں ۵۷ء سے ۷۱ء تک درس حدیث دیا۔ علالت کے آخری پندرہ روز مراد آباد میں گزارے اور وہیں ۵، ۶ اپریل کی درمیانی شب وفات پائی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً و غفرلنا ولہٗ۔ آمین

داغ فراقِ صحبت شب کی جلی ہوئی　　اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

آیت من آیات اللہ　حضرت مولانا محمد یوسف بنوری مدظلہم العالی کی اہلیہ محترمہ کئی سال علالت کی صبر آزما تکالیف اُٹھانے کے بعد اپنے معبود حقیقی سے جا ملیں۔ یہ صدمہ حضرت مولانا مدظلہم کے لئے مادی اعتبار سے بڑا ہے۔ لیکن ہمیں خدا کی ذات سے امید ہے کہ وہ اس صدمہ کو حضرت مولانا کے مقام کی بلندی و قرب کا ذریعہ بنائے گا اور دعا ہے کہ ہر وہ پریشانی جو مرحومہ کی وفات سے پیدا ہو وہ ہی اپنی شانِ ربوبیت سے تکفل فرمائے۔

رحمہا اللہ تعالیٰ واعظم اجرہم ۔ آمین ۔

سیرۃ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

اور

مستشرقین

(قسط: ۲)

شیخ التفسیر حضرت علامہ مولانا شمس الحق صاحب افغانی مدظلہٗ

جویریہ رض اس سلسلۂ انتخاب میں حضرت جویریہ بنت حارث آتی ہیں، جن کا پہلا نکاح مسافع بن صفوان سے سے ہوا تھا، جو غزوۂ مریسیع میں مارا گیا تھا۔ یہ ایک طاقتور قبیلہ بنی المصطلق کے سردار حارث کی بیٹی تھیں، قید ہو کر آئیں اور ثابت بن قیس کے حصے غنیمت میں آگئیں، انھوں نے ان سے مکاتبت کر لی، یعنی یہ کہ آپ اتنی رقم ادا کر دیں تو آپ آزاد ہو جائیں گی، یہ رقم کی ادائیگی کے سلسلے میں حضورؐ کے پاس حاضر ہوئیں، آپ نے فرمایا، اگر رقم میں ادا کر دوں اور آزاد کر دوں اور پھر میں خود تم سے نکاح کر لوں تو نکاح پر تم راضی ہو۔ انھوں نے عرض کیا کہ میں راضی ہوں، (ابوداؤد، کتاب الاعتاق) اتفاق سے ان کے باپ حارث آئے، انھوں نے کہا کہ میری بیٹی کنیز نہیں رہ سکتی، آزاد کر دیں، آپ نے فرمایا، میں اس کو جویریہ کی مرضی پر چھوڑتا ہوں، جویریہ نے فرمایا، میں اللہ اور رسول کو اختیار کرتی ہوں (رواہ ابن المنذر بسند صحیح جلد ۴ صہ ۳۶۵)

امِ حبیبہ رض تیسری زوجہ مطہرہ ام المومنین ام حبیبہ رض ہیں، جو اسلام کے خلاف اکثر لڑائیوں کے کمانڈنگ آفیسر اور قریش کے سردار ابوسفیان کی بیٹی تھیں، ان کی ماں حضرت عثمان کی پھوپھی صفیہ بنت ابی العاص تھیں، ان کا پہلا نکاح عبیداللہ بن جحش سے ہوا تھا، حضرت امِ حبیبہ خود بھی مسلمان ہوئیں اور ان کی تبلیغ سے ان کے شوہر بھی مسلمان ہوئے، اس وقت ان کے باپ ابوسفیان اور بھائی معاویہ جو اسلام کے دشمن تھے، دونوں ان کو اسلام لانے پر ستاتے رہے، تنگ آکر دونوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی، وہاں کچھ مدت کے بعد شوہر عبیداللہ بن جحش نصرانی ہو گیا، لیکن امِ حبیبہ اسلام پر قائم رہیں، حضور کو اطلاع ہوئی، آپ نے متاثر ہو کر سوچا تو آپ کو ان کی اس استقامت کا خیال آیا کہ انھوں نے اپنے سردار باپ کی دشمنی مول لے کر افریقہ کے ملک میں پناہ لی۔ پھر شوہر اس عیسائی ملک میں مرتد ہو کر مر گیا، لیکن ام حبیبہ کی ایمانی استقامت

میں فرق نہ آیا، یہ دونوں امور ایسے ہیں کہ اس صورت میں بے سہارا مستورات کو سہارا ملنا چاہئیے، دوم یہ کہ اس طرح ان کے باپ اور خاندان کی اسلام دشمنی میں کمی بھی آجائے گی۔ یہ دو اہم سبب ہوئے کہ آپ نے امِ حبیبہ کو شرفِ زوجیت نبوی سے نوازا۔ حبشہ کے بادشاہ کو جو مسلمان ہو چکے تھے، حضور نے اپنے قاصد کے ذریعے پیغام بھیجا کہ امِ حبیبہ کو مری طرف سے پیغامِ نکاح پہنچا دو، چنانچہ یہ پیغام پہنچا دیا گیا۔ یہ بشارت سن کر بادشاہ کی اس باندی ابرہہ کو جس نے یہ پیغام پہنچایا تھا، اسکو امِ حبیبہؓ نے اپنے ہاتھوں کے دو کنگن اور پاؤں کے پازیب اور انگلیوں کے چھلّے انعام میں دیئے اور نکاح ہو گیا، مہر نکاح چار سو پونڈ بادشاہ نے حضور علیہ السلام کی طرف سے مہر میں دے دیئے اور سامان بھی دیا،

صفیہؓ

چوتھی بیوی صفیہؓ بنت حیی بن اخطب ہیں، اس سلسلہ میں صفیہ بھی شرفِ زوجیت سے مشرف ہوئیں جو بنی نضیر کے یہودی سردار حیی بن اخطب کی بیٹی تھیں، جن کا پہلا نکاح سلام بن مشکم سے ہوا تھا، اس نے طلاق دی، اس کے بعد دوسرا نکاح کنانہ بن ابی الحقیق سے ہوا، وہ غزوۂ خیبر میں مقتول ہوا۔ صفیہؓ قید ہو کر آئیں حضورؐ نے آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا، صفیہ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھیں، اس نکاح سے بے سہارا صفیہؓ کی دلجوئی بھی ہوئی اور اس کا اظہار بھی مقصود تھا کہ حضورؐ کو یہود سے ذاتی عداوت نہیں تاکہ عداوت یہود میں کمی آجائے۔

زینبؓ

پانچویں بیوی زینب بن حجش تھیں، یہ حضورؐ کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں، عرب کا دستور تھا کہ متبنی یعنی لے پالک بیٹے کو اصل بیٹے کی طرح سمجھتے تھے اور اس کی بیوی سے بصورتِ موت یا طلاق بعد از عدت بھی نکاح حرام سمجھتے تھے، اس کے علاوہ اگر کسی پر غاصبانہ وظالمانہ طریق پر غلامی کا داغ لگ جاتا تھا تو آزادی کے بعد بھی کسی شریف عورت کو اس کے نکاح میں دینے کو عار سمجھا جاتا تھا، ان دو رسموں کو عملی طور پر توڑنے کے لیے منشاً الٰہی کے تحت حضور علیہ السلام نے ان کا نکاح اپنے متبنیٰ لے پالک زید بن حارثہ سے کرنا چاہا، لیکن چونکہ ایسا کرنا رواجِ عرب کے خلاف تھا۔ زینبؓ شریف خاندان سے تھیں اور حضور کی پھوپھی زاد تھیں، زینب اور ان کے بھائی عبداللہ بن حجش، جو دونوں مسلمان تھے، ان سے جب حضور اکرم نے تذکرہ کیا تو انھوں نے زید بن حارثہ آزاد کردہ غلام سے نکاحِ زینبؓ کو گوارا نہ کیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی، وما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالا مبینا۔ اس آیت میں مومن اور مومنہ زینبؓ اور ان کے بھائی مراد ہیں، یعنی مومن مرد یا عورت کے لیے درست نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ کریں تو وہ اس پر راضی نہ ہو اور جو کوئی اللہ رسول کی نافرمانی کرے تو وہ کھلی گمراہی میں جا پڑا۔ اس آیت

کے نزول پر زینب اور ان کے بھائی نکاح پر راضی ہو گئے اور نکاح ہو گیا، لیکن خاندانی برتری کا تصوّر چونکہ باقی تھا۔ دونوں میں موافقت نہ ہو سکی، حضرت زید جب شکایت حضورؐ کے پاس لے کے جاتے اور طلاق کا ارادہ ظاہر کرتے تو حضور اس خفگی پر صبر کی تلقین کرتے اور طلاق دینے سے منع فرماتے۔ یہ خیال تھا کہ ایک تو آزاد کردہ غلام سے نکاح کے عار کو برداشت کیا، اب اگر طلاق دی گئی تو طلاق کا عار بھی لگ جائے گا تو زیادہ ناراضگی پیدا ہو گی۔ پھر جب موافقت ناممکن ہو گئی تو زید نے طلاق دے دی۔ طلاق کی جب عدت گزری تو اللہ کا منشاء ایک دوسری رسمِ جاہلیت کے ازالے کا ہُوا کہ خود حضورؐ کے عمل سے اس رسمِ جاہلیت کو منہدم کیا جائے، تو حضورؐ کو اگرچہ منشاءِ الٰہی کی تکمیل سے عذر نہ تھا، لیکن یہ خیال رہا کہ عرب میں بدنامی ہو گی کہ وہ لوگ منہ بولے بیٹے کی جورو کو حرام کہتے تھے اور حضور خود منہ بولے بیٹے کی جورو کو گھر میں رکھ لیں، پھر حضورؐ کے دل میں یہ خیال آیا کہ حضرتِ زینب اور ان کے خاندان کو رواجِ عرب کے مطابق دو قسم کی رسوائی ہوتی ایک آزاد کردہ غلام سے نکاح کی، دوم طلاق کی، لیکن منشاءِ الٰہی تھا کہ اس زخمِ رسوائی کا مداوا ہو۔ جس کے لیے بہترین مرہم صرف یہ ہو سکتا تھا کہ حضور علیہ السلام خود زینب کو اپنی زوجیت کا شرف بخشیں، لیکن ساتھ ہی عرب کی اس رسوائی کا بھی ڈر تھا کہ یہ طعن دیا جائے گا کہ آپ نے (لے پالک) بیٹے کی جورو سے نکاح کیا، کیونکہ عرب لوگ متبنیٰ کو بیٹا ہی سمجھتے تھے۔ لیکن منشاءِ الٰہی کے تحت آپ نے عمل فرمایا اور اس جاہلانہ قدیم رسم کا انقطاع فرما دیا، حضور کے اس نکاح سے معاشرتی نظاموں کی اصلاح ہُوئی اور مساواتِ بشری کی ایک عمدہ نظیر بھی قائم کی گئی، لیکن عجیب بات ہے کہ مستشرقین نے صلیبی جنگوں کی موروثی عداوت سے جھوٹے اور بے سند اضافے کر کے اس کو عشقیہ داستان بنایا، گویا آپ اس نکاح کے لیے بے تاب تھے، اس متعصبانہ غلط الزام تراشی کی تردید کے لیے صرف یہ کافی ہے کہ حضرت زینب حضور کی پھوپھی زاد بہن تھیں، بچپن کے زمانے سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہتے تھے۔ حضور علیہ السلام نے خود ہی ان کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ سے کرایا۔ جو ان کو ناگوار بھی گزرا لیکن پھر خدا اور رسول کے حکم کی مجبوری سے نکاح پر راضی ہوئیں، میں کہتا ہوں کہ اگر حضور علیہ السلام اس نکاح کے لیے بے قرار تھے تو مکّہ معظمہ میں حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد خود ان سے نکاح کر لیتے۔ یا بعد از ہجرت جب آپ نے ان کا ۴ھ میں زید سے نکاح کرانا چاہا تو زید بن حارثہ کے بجائے خود ان سے نکاح کر لیتے، وہ کم نسبی کی وجہ سے زید کے نکاح سے راضی نہیں تھیں تو خود ان سے نکاح کر لینے میں کیا رکاوٹ تھی اور اب بیوہ ہونے کے بعد نکاح میں کیا کشش تھی۔ معلوم ہوا کہ یہ مسیحی استشراق کی غلط داستان ہے، جو سراسر عقل کے خلاف ہے۔ (باقی آئندہ، انشاء اللہ)

◆◆

فتنوں کی سرکوبی　　　قسط: ۱۵

اُولٰئِکَ هُمُ الرَّاشِدُوْن

"خلافت وملوکیت" کے جواب میں!

شیخ الحدیث حضرۃ مولانا سیّد محمّد میاں ادام اللہ معالیھم

مودودی صاحب نے حضرت عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں ایسے اختصار سے کام لیا جو مغالطہ انگیز ہی نہیں بلکہ توہین آمیز بھی ہے۔ فرماتے ہیں۔

حضرت عمرو بن العاص کو مصر کی گورنری سے ہٹا کر اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مقرر کیا۔ ص۱۰۷

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح اُن کے (حضرت فاروق رضی اللہ عنہ) کے زمانے میں مصر کے ایک فوجی افسر تھے اور بعد میں صعید مصر کے عامل بنا دیئے گئے تھے۔ ص۳۲۴

پھر فرماتے ہیں۔

دراصل ان کے اس طرزِ عمل کی بنیاد وہی تھی جو انہوں نے خود بیان فرمائی ہے کہ وہ اس کو صلہ رحمی کا تقاضا سمجھتے تھے۔ ص۳۲۱

لیکن اسے اجتہادی غلطی کہنے کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں ہے، کیونکہ صلہ رحمی کا تعلق ان کی ذات سے تھا نہ کہ ان کے منصب خلافت سے۔ ص۳۲۱

یہ ہے مودودی صاحب کی طباعی اور نکتہ آفرینی۔ خود ہی سوال اور اعتراض تصنیف فرمارہے ہیں اور خود ہی اس کا جواب دیکر سیّدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی (بخیال خود) حمایت فرمارہے ہیں، لیکن حمایت فرماتے ہوئے بھی آدھی بات پیش فرمارہے ہیں۔ آدھی بات جو مودودی صاحب کی منشا کے خلاف ہے اس کو حذف فرمارہے ہیں۔

سیّدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پوری تقریر جو آپ نے اہل مدینہ کے مجمع عام میں فرمائی تھی جس میں اعتراضات کا دندان شکن جواب دیا تھا وہ ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔ اس میں آپ نے اپنے رشتہ داروں کے سلسلہ میں یہ بھی فرمایا تھا۔

مجھے اُن سے محبت ضرور ہے، مگر کسی غلط بات میں میری محبت کبھی ان کی طرف مائل نہیں ہوئی۔

بل احمل الحقوق علیھم (طبری ص ۱۰۳۔ ج ۵) بلکہ میں اُن کے اُوپر حقوق لادتا ہوں (اُن پر فرائض عاید کرتا ہوں)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کی تصدیق[1] ان کے طرزِ عمل سے ہوتی ہے۔ مثلاً جس سال خلیفہ ہوئے اسی سال اپنے ماموں زاد بھائی عبداللہ بن عامر کو جن کی عمر تقریباً بیس سال تھی کابل کی مہم پر بھیجا۔ انہوں نے اس پورے علاقہ کو فتح کیا۔ اس کے بعد ان کو بصرہ کا حاکم بنایا۔ ولید بن عقبہ (ماں شریک بھائی) فتوحاتِ شام میں حضرت خالد ابن الولید رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کے شریکِ کار رہے پھر آذربیجان وغیرہ کی بغاوت کو فرو کر کے ان علاقوں کو گویا دوبارہ فتح کیا۔ اس کے بعد ان کو کوفہ کا حاکم بنایا۔ حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ پہلے طبرستان کی مہم میں بہادری اور تدبر کے جوہر کامیابی کے ساتھ دکھا چکے تھے۔ اس کے بعد ان کو اہلِ کوفہ کے مشورہ سے حضرت ولید رضی اللہ عنہ کی جگہ کوفہ کا حاکم بنایا۔ ان تمام واقعات کی تفصیل طبری وغیرہ کے حوالہ سے پہلے گذر چکی ہے۔ اسی طرح کا معاملہ حضرت عبداللہ ابن سعد بن ابی سرح کا بھی ہے۔

مودودی صاحب کی طرزِ تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح فوج کے کوئی حوالدار یا کپتان تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رشتہ داری کی بناء پر ان کو بڑھایا۔ حتیٰ کہ فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو گورنری سے ہٹا کر عبداللہ بن سعد کو ان کی جگہ مصر کا گورنر بنا دیا۔

لیکن ہمیں معاف کیا جائے اگر ہم اس کو کوتاہ علمی قرار دیں جس کے ساتھ زعم ہمہ دانی اور بغض صحابہ کا زہر ملا ہوا ہے۔

وہی علامہ ابن جریر طبری جن کو مودودی صاحب مستند ترین مورّخ مانتے ہیں اگر مودودی صاحب انہیں کا بیان دیکھ لیتے تو ایسا افتراء تصنیف نہ کرتے۔

---

[1] محمد بن ابی بکر کا واقعہ بھی تصدیق کے لیے کافی ہے۔ وہ بھی آپ کا رشتہ دار تھا۔ وہ بھی کوئی منصب چاہتا تھا، مگر اس کے اطوار ناپسندیدہ تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو کوئی عہدہ نہیں دیا۔ وہ اسی وجہ سے آپ کا دشمن ہو گیا۔ بلوہ میں پیش پیش رہا۔ ان میں وہ بھی تھا جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو گھر میں گھس کر شہید کیا — محمد میاں

علامہ طبری فرماتے ہیں[1]

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے اس وقت حضرت عمرو بن العاص مصر کے حاکم تھے اُن کو اپنے منصب پر بحال رکھا اور عبد اللہ بن سعد کو جن کا تعلق مصر کی فوج سے تھا ان کو فوج کا امیر بنایا۔ ان کو ایک پیادہ فوج دی اور ان کو افریقہ روانہ کر دیا جہاں انہوں نے غیر معمولی فتوحات حاصل کیں۔ بہت کافی مالِ غنیمت حاصل کیا۔ جب واپس آئے تو افواجِ مصر کے افسر اعلیٰ یہ تھے اور تحصیلِ محاصل (خراج) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ (گورنر صوبہ) کے سپرد تھا۔

(تاریخ طبری ص ۴۹، ۵۰ ج ۵)

بہرحال طبری رحمۃ اللہ علیہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے رشتہ دار عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کو یونہی گورنر مصر نہیں بنا دیا بلکہ پہلے ان کو افریقہ بھیجا۔ وہاں فتوحات حاصل کرنے کے بعد بھی دفعتہً گورنر مصر نہیں بنا دیا۔ بلکہ پہلے ان کو فوج کا افسرِ اعلیٰ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بدستور گورنر رکھا۔ تحصیلِ محاصل کے ذمہ دار حضرت عمرو بن العاص تھے۔ پھر ایک موڑ ایسا آیا کہ ان دونوں میں بحث شروع ہو گئی۔ تب ایسا ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو واپس بلا لیا اور حضرت عبد اللہ بن سعد کو گورنر بنا دیا۔

تبدیلی کی وجہ

تبدیلی کی وجہ بہت عجیب ہے، مگر اس کو وہی سمجھ سکتا ہے جس کو اللہ تعالےٰ نے انصاف کی نعمت بخشی ہو۔ اس کا دل تنقیص صحابہ کے مرض سے پاک ہو اور عشر و خراج وغیرہ کے مسائل سے اس کو واقفیت ہو۔ چند باتیں آپ ذہن نشین فرمالیں گے تو خود آپ کا فیصلہ ہو گا کہ سیّدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

---

[1] علامہ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ عبد اللہ بن سعید بن ابی سرح فتح مصر میں حضرت عمرو بن العاص کے ساتھ تھے اور ان کی فوج کے صاحب میمنہ تھے۔ تمام معرکوں میں ان کے شریک رہے۔ وکان صاحب میمنۃ عمرو بن العاص فی افتتاحہ مصر و فی حروبہ ھناک (الاستیعاب) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ کان صاحب المیمنۃ فی الحرب مع عمرو بن العاص فی فتح مصر ولہ مواقف محمودۃ فی الفتوح (الاصابہ) ان دونوں حضرات کو مودودی صاحب بھی تاریخ اسلام کا بہترین مورخ مانتے ہیں۔

نے جو کچھ کیا وہ نہایت صحیح تھا۔ اگر کچھ خرابی یا غلطی تھی تو صرف یہ کہ عبداللہ بن سعد کی اولوالعزمی اقدام کی پالیسی کے عین مطابق تھی جو سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اختیار کیے ہوئے تھے۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح ایک باحوصلہ افسر تھا وہ جس طرح افریقہ کے ایک حصّہ میں فتح حاصل کر چکا تھا وہ فتوحات کے سلسلہ کو اولوالعزمی اور حوصلہ کے ساتھ آگے بڑھانا چاہتا تھا۔

خلیفۂ سوم سیّدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اگرچہ پچھتر سالہ بوڑھے تھے، مگر فتوحاتِ اسلامیہ کو بڑھانے اور بحر و بر پر اسلامی اقتدار کا پرچم لہرانے کے شوق میں وہ پُرجوش نوجوان تھے۔

ا۔ اس میں شک نہیں کہ سیدنا حضرت عمرو بن العاص رضؓ فاتح مصر تھے، لیکن فتح افریقہ کے لیے سیّدنا حضرت عثمان نے حضرت عبداللہ بن سعد کو مامور فرمایا تھا۔ یہ اس کی تعمیل کر چکے تھے اور اب مصر تشریف لے آئے تھے جو افریقہ کا مرکز تھا اور خود مودودی صاحب کو اعتراف ہے کہ افریقہ کے تمام مفتوحہ علاقے مصر کے گورنر کے ماتحت تھے۔ (خلافت و ملوکیت ص ۲۲۳)

حضرت عبداللہ بن سعد کو "جند" پر مقرر کیا گیا۔ (طبری ص ۴۹، ج ۵)

تو آپ کا فرض صرف یہ نہیں تھا کہ جو فوجیں مصر کی چھاؤنی میں ہوں ان کی نگرانی کرتے رہیں بلکہ آپ کا فرض یہ تھا کہ مصر کے علاوہ افریقہ کے فوجی اور جنگی تقاضوں کا بھی آپ لحاظ رکھیں اور جو ضرورتیں پیش آئیں انکو پورا کریں۔ اب بحیثیت قائد افواج یا "جرنیل" فوجی ضرورتیں آپکے سامنے تھیں، لیکن ان کی تکمیل کے لیے آپ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی منظوری کے محتاج تھے، کیونکہ مالیات کا تعلق گورنر ہونے کی حیثیت سے حضرت عمرو ابن العاص سے ہی تھا۔

(۲) افریقہ کا جو حصہ بھی آپ نے فتح کیا تھا اگرچہ افریقہ سے واپسی کے وقت اس کا حاکم اور امیر آپنے عبداللہ ابن نافع بن عبد قیس کو بنا دیا تھا۔ (طبری ص ۵۰، ج ۵)

مگر معاملہ اس پر ختم نہیں ہو گیا تھا بلکہ یہ فتح ایک شعلہ تھا جو افریقہ کے جنگل میں بھڑکا یا گیا تھا۔ قدرتی طور پر اس کی لپیٹیں سب طرف پھیلنے والی تھیں اور تقاضا تدبّر یہ تھا کہ ان کے مقابلہ کا پورا انتظام پہلے سے کر لیا جائے۔

(۳) افریقہ کا جو علاقہ فتح کیا تھا اس کے لیے بحری جنگ کی ضرورت نہیں ہوئی تھی، لیکن یہ علاقہ قیصر روم

کے زیر اقتدار تھا اور اس کو فتح کرنے کے معنے یہ تھے کہ بازنطینی شہنشاہیت کے مقابلہ کے لیے ایک اور محاذِ جنگ قائم کر دیا گیا تھا اس بنا پر یہ بات یقینی تھی کہ قیصر کا بحری بیڑہ حرکت میں آتے اور بحری جنگ کا سلسلہ شروع ہو جس کے مقابلہ کے لیے لازمی اور ضروری تھا کہ مسلمانوں کا بھی بحری بیڑہ ہو اور اس کے تمام مصارف فوری طور پر برداشت کیے جائیں۔

(۴) جو باتیں گذشتہ تین نمبروں میں بیان کی گئیں۔ ان سے مصر کے گورنر سیّدنا حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بھی انکار نہیں تھا۔ سوال یہ پیدا ہوا کہ مصارف جنگ مرکز سے طلب کیے جائیں یا خود مصر میں بھی یہ گنجائش ہے کہ پورے مصارف ورنہ ان کا بڑا حصہ یہاں سے وصول کیا جائے۔

یہ تھا نقطۂ اختلاف سیّدنا حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کا۔ عبداللہ بن سعد کی رائے یہ تھی کہ یہ مصارف جائز طور پر بسہولت مصر سے وصول ہو سکتے ہیں اور حکومتِ اسلامیہ کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وصول کرے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اس کے مخالف تھے۔

(۵) اس گنجائش اور عدم گنجائش کا مدار اس پر تھا کہ فتح کے وقت جو معاہدات ہوئے ان کی رُو سے حکومت کو کچھ ردّ و بدل اور اراضی کے جدید بند و بست کا حق ہے یا حکومت پابند ہے وہ کچھ رد و بدل نہیں کر سکتی۔

(۶) سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے صرف ساڑھے تین ہزار مجاہدین کی فوج سے مصر پر حملہ کر دیا تھا اور کچھ علاقہ فتح بھی کر لیا تھا، لیکن خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اتنی فوج کو ناکافی سمجھا۔ آپ نے فوراً ہی دس یا بارہ ہزار فوج دیگر سیدنا حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو مصر بھیجدیا۔ (فتوح البلدان ص ۲۲۰ و ۲۲۱) ان دونوں بزرگوں کے مجاہدانہ اقدامات کامیاب ہوتے اور مصر فتح ہو گیا۔

(۷) مفتوحہ علاقوں سے عشر، خراج، جزیہ وغیرہ لینے کے بارے میں جو اسلامی روایات اور ضابطے ہیں ان کے لحاظ سے فتح کی نوعیت سب جگہ یکساں نہیں رہی۔ بلکہ مختلف علاقوں میں مختلف نوعیتیں رہیں۔

(۸) اسلامی روایات اور فقہی تشریحات کے مطابق مفتوحہ اراضی کے متعلق ایک طریقہ یہ ہے کہ یہ اراضی مجاہدین کو تقسیم کر دی جائیں، وہ ان کے مالک قرار دیئے جائیں۔ ان اراضی پر خراج نہیں ہوگا بلکہ ان کی پیداوار کا عشر (دسواں حصہ) اس سے لیا جائے گا اور اگر آبپاشی کا انتظام صاحب زمین کو خود کرنا پڑے تو اس سے نصف عشر یعنی پیداوار کا بیسواں حصہ لیا جائے گا، بشرطیکہ کاشت کی جائے اور اگر یہ مالک کاشت ہی نہ کرے تو کچھ بھی لازم نہیں ہوتا۔

_______________ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مفتوحہ اراضی مجاہدین پر تقسیم نہ کی جائے۔ اب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اراضی بیت المال (حکومت) کی ملک قرار دی جائیں وہ وقتاً فوقتاً ان کا بندوبست کرتی رہے اور حسبِ حال کاشت کاروں سے خراج کا معاملہ کرتی رہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ اراضی سابق مالکوں یا کاشتکاروں کی ملک قرار دی جائیں اور ان سے ان کا خراج وصول کیا جائے جو حکومت اور کاشت کاروں کے درمیان باہم طے ہو جائے۔ پھر یہ لازم نہیں کہ یہ خراج دوامی ہو بلکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ محدود مدت کے لیے ایک خراج طے ہو جائے پھر حکومت کو حق رہے کہ وہ اس میں قابلِ برداشت جائز ردّوبدل کر سکے۔

(۹) فتح مصر کے بعد سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے گورنر مصر حضرت عمرو بن العاص سے فرمائش کی کہ مفتوحہ اراضی مجاہدین پر تقسیم کر دی جائیں۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے خلیفہ دوم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو لکھا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی پالیسی یہ تھی کہ مفتوحہ اراضی تقسیم نہ کی جائیں، کیونکہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مجاہدین تو بڑے بڑے زمیندار بن جائیں گے، لیکن بعد کی آنے والی نسلیں محروم رہ جائیں گی۔ لہٰذا آپ اراضی مفتوحہ کو بیت المال کی ملک قرار دے کر مجاہدین کے وظائف مقرر فرما دیتے تھے۔ اس کی ہدایت آپ نے اراضی مصر کے متعلق بھی فرمائی۔ (فتوح البلدان ص ۲۲۱ و ۲۲۵) لہٰذا یہ بات یقینی ہے کہ اراضی مصر کو عشری نہیں قرار دیا گیا۔

(۱۰) جب کہ اراضی مصر عشری نہیں یعنی مجاہدین میں تقسیم نہیں کی گئیں تو اضافہ آمدنی کی متعدد صورتیں ممکن تھیں۔ جو اراضی[۱] ملکِ حکومت تھیں۔ حکومت ایسی صورتیں اختیار کر سکتی تھی کہ انکی آمدنی میں اضافہ ہو جائے اور ادا کرنے والوں پر بار نہ ہو۔ بہت[۲] سے علاقے وہ تھے کہ وہاں کے باشندوں سے کوئی معاہدہ ہی نہیں ہوا تھا۔ مثلاً قبطیوں کے متعلق ایک مرتبہ خود حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے منبر پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

> ان سے کوئی معاہدہ نہیں ہوا۔ میں ان کو قتل بھی کر سکتا ہوں۔ ان پر جزیہ بھی مقرر کر سکتا ہوں اور ان کو غلام بنا کر فروخت بھی کر سکتا ہوں۔ البتہ "انطابلس" والوں سے معاہدہ ہوا ہے اس کا پورا کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ (فتوح البلدان ص ۲۲۴)

بعض[۳] علاقوں کے باشندوں سے کچھ غلہ سالانہ مقرر کیا گیا۔ بعض سے کپڑوں وغیرہ کے متعلق معاہدہ ہوا کہ اتنے جُبے اونی یا سوتی۔ اتنے عمامے۔ خُف (چمڑے کے موزے) وغیرہ دیئے جائیں گے۔ (فتوح البلدان ص ۲۲۲)

اسکندریہ کے نواب (مقوقس) سے معاہدہ ہوا تھا کہ جو ٹیکس وہ ہرقل (قیصر روم) کو ادا کرتا ہے، اتنا ہی مسلمانوں کو ادا کرے گا۔ اس طرح مقوقس نے مسلمانوں سے تو صلح کر لی مگر ہرقل اس سے مشتعل ہو گیا اور اس نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رومیوں کو شکست ہوئی جو ان کا اثر مقوقس پر تھا وہ ختم ہو گیا (طبری وغیرہ) لہٰذا وہ ٹیکس بھی ختم ہو گیا جو مقوقس ہرقل کو دیا کرتا تھا۔ اب مسلمانوں کا حق تھا کہ اس ٹیکس کو وہ خود وصول کریں۔

بہر حال ان دونوں بزرگوں (حضرت عمرو بن العاص اور حضرت عبداللہ بن سعد) کی رائیں مختلف تھیں۔ ان حضرات نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی ایک دوسرے کی شکایت کی۔ ایک نے شکایت کی میری جنگی ضرورتوں میں کسر کی جارہی ہے۔ دوسرے نے شکایت لکھی کہ میرے مالی نظام میں رخنہ اندازی کی جارہی ہے۔

(طبری ص ۵۱۔ ج ۵)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن سعد اقدام کی پالیسی میں متحد تھے۔ اب اس رائے میں بھی ان کا اتحاد ہو گیا کہ آمدنی میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص سے استعفاء طلب کر لیا۔ حضرت عبداللہ بن سعد نے اپنی تجویز کو عملی جامہ پہنایا تو پہلے ہی سال آمدنی دوگنی ہو گئی۔

حضرت عمرو بن العاص کے دورِ حکومت میں آمدنی بیس لاکھ تھی۔ اس سال حضرت عبداللہ بن سعد کے دورِ حکومت میں پہلے ہی سال چالیس لاکھ آمدنی ہو گئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص سے فرمایا۔ آپ کے بعد مصر کی اونٹنیاں دودھ زیادہ دینے لگیں۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ مگر ان کے بچوں کو آپ لوگوں نے سکھا دیا۔ (فتوح البلدان۔ ص ۲۲۳ و طبری ص ۵۱ ج ۵)

دوسری وجہ

علامہ ابن عبدالبر نے حضرت عمرو بن العاص کی معزولی کی وجہ دوسری بیان کی ہے کہ اہل اسکندریہ کی ایک حرکت کو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے عہد شکنی قرار دیا، چنانچہ ان پر حملہ کر کے بالغ مردوں کو قتل کرا دیا۔ عورتوں، بچوں کو گرفتار کر لیا۔ اس کے بعد ان کو غلام کی حیثیت سے تقسیم بھی کر سکتے تھے اور فروخت بھی کر سکتے تھے۔ اس کا مرافعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عدالت میں پیش ہوا تو انہوں نے اس حرکت کو نقض عہد نہیں قرار دیا۔ آپ نے عورتوں اور بچوں کو رہا کرا دیا اور حضرت عمرو بن العاص کو گورنری سے معزول کر دیا۔

(الاستیعاب (ذکر عبداللہ بن سعد ص ۳۹۴)

علامہ ابن عبدالبر کے بیان کو بھی سامنے رکھا جائے تو واقعات کی ترتیب یہ ہے کہ اضافہ مالیہ کے سلسلہ میں قصہ چل رہا تھا کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے یہ غلطی بھی ہوگئی جس کی بنا پر بلا تاخیر معزول کر دیا گیا۔

یہ ہے واقعات کی صحیح نوعیت جو کتبِ تاریخ سے ثابت ہے۔ جن میں سے فتوح البلدان اور تاریخ طبری کا حوالہ ہم نے دیا۔ ان کے علاوہ اور کتابوں میں بھی یہ واقعات موجود ہیں، مگر مطالعہ کتب کی کاوش وہی برداشت کرے گا جو معاملہ کی تہ تک پہنچنا چاہے اور جس کا مقصد صرف اعتراض اور الزام لگانا ہو اس کو اس کاوش کی کیا ضرورت ہے۔

دیوانہ را ہوئے بس است"

نظامِ حکومت میں ایسی تبدیلی قابلِ اعتراض نہیں ہے۔ بلکہ حکومت کی صلاحیت اور اس کے ترقی پذیر ہونے کی علامت ہے، مگر اس کا کیا علاج کہ

ہُنر بچشمِ عداوت بزرگ تر عیبست

پاسِ قرابت نفل۔ یعنی حوصلہ افزائی کے لیے مجاہدین سے کسی انعام کا وعدہ کر لینا کوئی نئی بات نہیں تھی بقول حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر سیدنا ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما بڑے بڑے انعامات کا وعدہ فرماتے رہے تھے۔ اسی اصول اور رائج شدہ قاعدہ کے بموجب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی جب عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو فتح افریقہ کے لیے روانہ فرمایا تو اُن سے خمس الخمس کا وعدہ فرما لیا تھا، یعنی مرکزی بیت المال کو جو خمس وصول ہوگا اس کا پانچواں حصہ حضرت عبداللہ بن سعد کو دیدیا جائے گا۔ یہ خمس الخمس یعنی پورے مالِ غنیمت کا ۱/۲۵ ایک لاکھ ہوتا تھا جو فتح ہونے پر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو دیدیا گیا، مگر پھر ایک وفد حضرت خلیفۂ سوم کی بارگاہ میں حاضر ہوا کہ اس کا اثر اچھا نہیں پڑا۔ دوسرے فوجیوں کو شکایت پیدا ہوئی۔

یہ موقع تھا کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ قرابت کا خیال رکھتے اور مبلغ ایک لاکھ کی رقم جو اُن کے عزیز عبداللہ بن سعد کو بالکل جائز طریقے پر دی گئی تھی جس میں عدمِ جواز کا معمولی شائبہ بھی نہیں تھا، واپس نہ لیتے، مگر سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرابت کا کوئی لحاظ نہیں کیا اور تمام رقم واپس کر دینے کا حکم صادر فرما دیا۔

فردّه علیهم ولیس ذلك لهم ، (طبری ص ۱۰۳)

میں نے اس کو واپس کرا دیا حالانکہ اعتراض کرنے والوں کو اعتراض کا حق نہیں تھا۔

ہولناک بحری جنگ اور ابن سبا کے ایجنٹوں کی شرارت

جیسا کہ یقین تھا کہ قیصر روم افریقہ میں مسلمانوں کی فتوحات کو برداشت نہیں کرے گا اور مفتوحہ علاقوں کو واپس لینے کی جان توڑ کوشش کرے گا۔ واقعہ یہی ہوا ۳۱ھ میں قسطنطین بن ہرقل نے اتنی بڑی فوج سے حملہ کیا کہ بقول علامہ ابن جریر۔

لم یجتمع للروم مثلہ قط منذ کان الاسلام (طبری ص ۶۹ - ج ۵)

جب سے مسلمانوں کے اقدام کا سلسلہ شروع ہوا تھا رومیوں کی اتنی بڑی فوج مقابلہ پر نہیں آئی تھی۔

قسطنطین نے برّی جنگ کے ساتھ بحری جنگ کی بھی تیاری اتنے بڑے پیمانہ پر کی کہ پانچسو جنگی جہازوں کا بیڑا مسلمانوں کے مقابلہ پر لے آیا۔

حضرت عبداللہ بن ابی سرح کی دوراندیشی اس موقع پر کام آئی۔ ایسی ہولناک صورت حال کے مقابلہ کے لیے انہوں نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے لڑ جھگڑ کر مصر کی آمدنی بڑھائی اور فوجی طاقت خصوصاً بحری قوت فراہم کی تھی۔

بہر حال مقابلہ بہت سخت تھا اور اس لیے بھی سخت تھا کہ مسلمانوں کو باضابطہ بحری جنگ کا تجربہ اب تک نہیں ہوا تھا۔ اُن کے لیے سمندری لڑائی کی ہر چیز نئی تھی۔ اتفاق سے پہلے روز مسلمانوں کو "باد مخالف" کی مخالفت بھی جھیلنی پڑی۔ مسلمانوں نے رومیوں کو دعوت دی کہ دونوں فوجیں جہازوں سے اتر کر زمین پر مقابلہ کریں، لیکن رومی بحری جنگ کو ہی کامیابی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ انہوں نے یہ مشورہ مسترد کر دیا۔ اب بنامِ خدا مسلمانوں نے ہمت کی جہازوں کو ایک دوسرے سے باندھ کر میدانِ جنگ بنایا گیا۔ سخت مقابلہ ہوا۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ سمندر کا پانی خون ہی خون ہو گیا۔ سمندر کی لہریں خون کے لوتھڑوں کو ساحل تک پہنچا رہی تھیں۔ مسلمان بھی بہت زیادہ شہید ہوئے اور حریف کی تو تقریباً تمام ہی فوج ختم ہو گئی۔

قسطنطین فرار پر مجبور ہوا۔ اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو استقلال و استقامت کی توفیق بخشی اور شاندار کامیابی عطا فرمائی۔ جس کے بعد سمندری لڑائیوں کے لئے بھی مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو گئے۔

یہ حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کا عظیم الشان کارنامہ تھا۔ مگر بدقسمتی یہ تھی کہ عبداللہ بن سبا کا فتنہ شروع ہو چکا تھا اور اس کے ایجنٹوں نے فتنہ انگیزی شروع کر دی تھی، چنانچہ یہاں بھی اس کے دو ایجنٹ موجود تھے۔ محمد بن حذیفہ اور محمد بن ابی بکر، یہ لوگوں کو بھڑکاتے رہتے کہ

> یہ جہاد، جہاد نہیں ہے۔ یہ شخص عبداللہ بن سعد بن ابی سرح اس قابل نہیں ہے کہ اس کی قیادت میں جہاد کیا جائے۔ یہ وہ ہے جو ایک دفعہ اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خون مباح کر دیا تھا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک مغالطہ دیکر انکو معاف کرا دیا۔
>
> جہاد یہاں نہیں ہے جہاد کا اصل مقام مدینہ ہے جہاں عثمان بن عفان خلافت پر قابض ہے۔ نہ اس کی خلافت صحیح، نہ اُس کے نائبوں کی قیادت صحیح ہے نہ اس کے ساتھ جہاد کرنا صحیح ہے اس کا خون مباح اور جس نے اس کو امیر البحر بنا رکھا ہے اس کا خون مباح اور اس کے خلاف جہاد کرنا لازم ہے۔

(طبری ص ا، ج ۵، ابن اثیر، ص ۵۸، ج ۳ وابن خلدون وغیرہ)

واقعہ یہ ہے کہ اگر حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت غلط ہوتی۔ آپ خلیفہ راشد نہ ہوتے اور حضرت عبداللہ ابن سعد بن ابی سرح خلیفہ راشد کے صحیح نائب نہ ہوتے تو خلیفہ اور نائب خلیفہ کا خون مباح کرنے والوں کا خون مباح ہو جاتا اور اس مباح پر عمل بھی کر لیا جاتا یعنی ان دونوں کی تواضع شمشیر آبدار سے کر لی گئی ہوتی، مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے نائبین کا تحمل بھی کرامت کا درجہ رکھتا تھا۔

ان دونوں غدار باغیوں کو صرف یہ ہدایت کی گئی کہ وہ فوج سے الگ رہیں اور دوسرے جہاز پر سوار ہوں۔

مودودی صاحب کے اعتراض کا ماخذ

غور فرمائیے۔ ان غدار باغیوں کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کو مودودی صاحب نے کس طرح حرزِ جان بنا لیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

> اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح تو مسلمان ہو کر مرتد ہو چکے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر جن لوگوں کے بارے میں یہ حکم دیا تھا کہ اگر وہ خانہ کعبہ کے پردوں سے بھی لپٹے ہوئے ہوں تو انہیں قتل کر دیا جائے۔ یہ ان میں سے

ایک تھے۔ حضرت عثمان انہیں لے کر اچانک حضور کے سامنے پہنچ گئے اور آپ
نے محض اُن کے پاسِ خاطر سے ان کو معاف فرمادیا تھا۔ (خلافت و ملوکیت ص ۱۰۹)

مودودی صاحب نے ان باغیوں کے الفاظ رٹ لینے کا اجرِ عظیم حاصل نہیں کیا بلکہ اپنے ایک اجتہاد کا بھی مظاہرہ فرمادیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کسی کی پاسِ خاطر سے حلال کو حرام قرار دیدیا کرتے تھے اور حرام کو حلال۔ (معاذاللہ)

عجیب و غریب ذہنیت

ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اس ذہنیت کے لیے کیا لفظ استعمال کریں جو حضرات صحابہ کی کمزوریوں کو تو تلاش کرتی ہے اور اس کے بیان کرنے میں قلم کا پورا زور صرف کر دیتی ہے، لیکن جو خوبیاں ہوتی ہیں وہ گویا اس کو نظر ہی نہیں آتیں گویا قوتِ بینائی سلب ہوجاتی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سعد کو جو انعام عطا فرمایا تھا وہ بعد میں واپس ہو گیا۔ مودودی صاحب نے اس کو خوب اچھالا، لیکن مودودی صاحب کا قلم ٹوٹ گیا۔ روشنائی خشک ہوگئی جب یہ لکھنے کا وقت آیا کہ حضرت عبداللہ نے فتوحات کے ساتھ ایک مضبوط بحریہ بھی تیار کیا اور وہ عرب جن کی بحری طاقت صفر تھی ان کو بحری جنگ کا ماہر بنایا ان کی بحری طاقت کو اس زمانہ کے لحاظ سے عروج کے آخری نقطہ پر پہنچا دیا اور افریقہ کے میدانوں ہی کا نہیں بلکہ افریقہ سے ملنے والے سمندروں کا بادشاہ بھی بنادیا۔ صدیاں گذر گئیں اور ان کی اس بادشاہت میں زوال نہ آیا۔

اس سے زیادہ مودودی صاحب کی یہ بے انصافی مستحق صد ملامت ہے کہ عبداللہ بن سعد کا یہ عیب تو بیان کیا کہ وہ مرتد ہوگئے تھے، لیکن انہیں کے تذکرہ کے آخر میں جو ان کی وفات کا قابلِ رشک تذکرہ ہے۔ اس کو بیان کرنے کی توفیق نہیں ہوئی ——— استیعاب، اور اصابہ وغیرہ میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ سیاسیات سے کنارہ کش ہو کر عسقلان تشریف لے گئے۔ پھر نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی نہ حضرت معاویہ کے شریک ہوتے اور دعاء مانگی کہ حالتِ نماز میں میری وفات ہو، چنانچہ نماز صبح کے بعد ایک طرف سلام پھیر چکے تھے دوسری طرف سلام پھیرنے والے تھے کہ روح پرواز کر گئی۔ رضی اللہ عنہ۔

تاثیرات القرآن

کچھ حضرت مدنی قدس سرہٗ کی تحریرات سے

مرسلہ
محترم الحاج عبدالکریم صاحب صابرؔ (ڈیرہ اسماعیل خان)

ذیل میں چند مجرب اعمال قرآنی بیان کیے جا رہے ہیں جو قطب العالم عارف باللہ مولانا سید حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہٗ العزیز کے بیان فرمودہ ہیں۔ امید ہے کہ ناظرین ان گرانمایہ موتیوں سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں گے۔ صابرؔ

تنگدستی کا علاج۔ اتباعِ شریعت اور احیاءِ سنّت میں کوشاں ہوں۔ جسقدر بھی ممکن ہو اپنے آپکو ذکر کا عادی بنائیں۔ روزانہ مغرب یا عشاء کے بعد سورۃ مزمّل گیارہ مرتبہ اوّل و آخر درود شریف گیارہ گیارہ مرتبہ پڑھا کریں۔ اور جب فاتخذہ وکیلا پر پہنچیں تو ۲۵ بار حسبنا اللہ ونعم الوکیل پڑھا کریں۔ انشاء اللہ تنگدستی دفع ہو جائیگی۔

قوت حافظہ کے لیے۔ سورۃ فاتحہ ۴۱ بار مع بسم اللہ روزانہ بعد عصر پڑھ کر سینہ پر دم کر لیا کریں۔

اگر ناجائز تعلقات میں پھنسا ہو۔ ایک صاحب نے شکایت کی کہ ان کا لڑکا ناجائز تعلقات کے پھندے میں پھنسا ہوا ہے۔ اس پر حضرت اقدسؒ نے تحریر فرمایا کہ صاحبزادہ کی اصلاح اور اس خبیثہ سے مفارقت کے لیے مندرجہ ذیل عمل کیجیے۔ کیا عجب ہے کامیابی ہو۔ صبح کی سنتوں اور فرضوں کے درمیان سورۃ فاتحہ ترکیب ذیل سے پڑھی جائے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم کی میم اَلحمد کے لام میں مل جائے یعنی اس طرح رَحِیمِلْ حَمْدُ یہ عمل اتوار کے دن سے شروع کیا جائے اس طرح کہ اتوار کو مذکورہ بالا صورت سے صبح کی سنتوں اور فرض کے درمیان ستر مرتبہ۔ پیر کے روز ساٹھ مرتبہ اسی طرح ہر روز دس دس گھٹاتے رہیں یہاں تک کہ شنبہ کے روز دس مرتبہ پڑھو اول و آخر سات سات مرتبہ درود شریف۔

کند ذہن بچہ کے لیے عمل۔ بچہ کے حفظ کے لیے ایک روٹی پر باوضو بروز جمعرات سات جگہ نیچے لکھی ہوئی

آیت کو اس طرح لکھا جاتے ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم الیس اللہ بکاف عبدہ

پھر ہر روز نہار منہ ایک ٹکڑا کھلا دیا جاتے ۔ یہ عمل سات جمعراتوں تک رہے ۔

اغوا شدہ لڑکی کی بازیابی کے لیے ۔ یاحفیظ ۱۱۹ مرتبہ پھر آیت یَا بُنَیَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ (آخر آیت تک) جو سورۃ لقمان میں ہے ۱۱۹ مرتبہ پڑھا کریں ۔ انشاء اللہ گمشدہ لڑکی یا کوئی بھی شے ہو واپس آجائے گی ۔

دیگر ایضاً اَمْسَيْتُ فِي اَمَانِ اللّٰهِ وَاَصْبَحْتُ فِي جِوَارِ اللّٰهِ سوا لاکھ مرتبہ پڑھیں ۔

دیگر ایضاً سورۃ ضحیٰ سات مرتبہ پڑھیں پھر اپنے اوپر انگشت شہادت پھیریں اور سات مرتبہ مندرجہ ذیل کلمات کہیں ۔ اصبحت فی امان اللہ وامسیت فی جوار اللہ وامسیت فی امان اللہ اصبحت فی جوار اللہ پھر دستک دیں ہر صبح و شام کو تا واپسی مفرور یا ضائع شدہ عمل میں لائیں ۔

عمل برائے حل مشکلات ۔ يَا بَدِيعَ الْعَجَائِبِ بِالْخَيْرِ يَا بَدِيعُ ۔ قضائے حاجات مہمہ کے لیے روزانہ بارہ سو مرتبہ پڑھیں ۔ اول و آخر درود شریف گیارہ مرتبہ ۔ اگر کسی مرض کی شفا مقصود ہو تو بالخیر کی جگہ بالشفا پڑھیں اور اگر کسی دشمن کو مقہور کرنا ہو تو بالخیر کی جگہ بالقہر پڑھیں ۔ بہتر یہ ہے کہ اوّلاً اسم مبارک کی زکوٰۃ دے لی جائے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ چندی جمعرات کو نہا دھو کر رات میں عشاء کے بعد سات ہزار مرتبہ پڑھیں اور چالیس دن تک برابر اسکو جاری رکھیں ۔ اس کے بعد روزانہ کم از کم ۱۲۵ مرتبہ ہمیشہ بلا ناغہ پڑھا کریں ۔ انشاء اللہ تمام مشکلات حل ہوتی رہیں گی اور مقاصد پورے ہوتے رہیں گے ۔

نماز حاجت ۔ چار رکعت نماز بہ نیت نفل بہ نیت قضاء حاجت جس وقت میں ممکن ہو پڑھا کریں ، مگر بہتر ہے کہ شبِ جمعہ میں پڑھا کریں ، پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد لا الہ الا انت سبحٰنک انی کنت من الظالمین فاستجبنا لہ ونجینا من الغم وکذلک ننجی المؤمنین ۔ دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد رب انی مسنی الضر و انت ارحم الراحمین ۔ تیسری رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد افوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد اور چوتھی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد حسبنا اللہ ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر بعد ختم کے سو مرتبہ رب انی مغلوبٌ فانتصر یہ نماز بہت مفید ہے اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھیں ۔ اور مقاصد مہمہ میں اس سے استفادہ کریں ۔

دفع وسواس کے لیے ۔ روزانہ سوتے وقت سورۃ الم نشرح ۷۰ مرتبہ پڑھ کر سینہ پر دم کر لیا کریں۔ نیز پنجوقتہ نماز کے بعد یہی سورۃ سات سات مرتبہ پڑھ کر سینہ پر دم کر لیا کریں انشاء اللہ فائدہ ہوگا۔

برائے فراخی رزق - تہجد کے وقت اولاً دو رکعت نماز بہ نیت وسعت رزق پڑھیں۔ پہلی رکعت میں بعد از سورۃ فاتحہ لایلاف ۲۵ مرتبہ اور دوسری رکعت میں بعد از فاتحہ سورۃ اذا جاء نصر اللّٰہ ۲۵ مرتبہ پڑھیں۔ سلام پھیرنے کے بعد درود شریف ۱۰۰ مرتبہ پڑھ کر کھڑے ہو کر یا وہاب ۱۴۰۰ مرتبہ نہایت خضوع و خشوع کے ساتھ پڑھا کریں۔ اگر کھڑے ہو کر پڑھنے میں معذوری ہو تو بیٹھ کر پڑھیں۔ اس نماز پر مداومت کریں اور مسواک کرنے میں سستی کیا کریں۔ ہر وضو کے ساتھ مسواک کیا کریں۔

سوکھا مسان کا علاج ۔ سوکھا مسان کے لیے مندرجہ ذیل عمل کیجیے انشاء اللہ کامیابی ہوگی۔ آدھ سیر یا سیر بھر یا زیادہ تل لیکر اسکو دھلوالیں اور پھر اس کا تیل نکلوالیں اور اسپر مندرجہ ذیل آیات باوضو پڑھ کر پھونکیں۔ سورۃ فاتحہ مع بسم اللہ تین مرتبہ۔ آیۃ الکرسی تین مرتبہ والصافات "لازب" تک ۳ مرتبہ سورۃ جن "شططا" تک تین مرتبہ۔ چاروں قل تین تین مرتبہ اس کے بعد بچہ کا سر مُنڈا کر روزانہ یہ پڑھا ہوا تیل سر سے پیر تک تمام جسم پر ملا کریں۔ کوئی جگہ تیل سے خالی نہ رہے۔ ملنے کے بعد چاہیں تو بچہ کو صابن سے نہلا دیں یا بدن پر تیل لگا کر رہنے دیں۔ یہ عمل چالیس دن تک بلا ناغہ کیا جائے۔ انشاء اللہ مکمل فائدہ ہوگا۔

تکلیف تنفس کے لئے ۔ یاحمید روزانہ ۱۰۰۰ مرتبہ پڑھا کریں اور چودھویں رات میں کورے برتن میں سورۃ "ناس" لکھیں اور اس میں پانی بھر کر کچھ پیئیں اور باقی سے وضو کریں۔

جس عورت کے بچے سوکھے میں مبتلا ہوتے ہوں ۔ جب حمل ۴ مہینے کا ہو۔ گیارہ دھاگے چرخے کے حاملہ کے قد کے برابر لیجیے اور اس کو کسم کے پھول سے رنگ کر اس میں ۴۱ گرہ دیجیے اور ہر گرہ دیتے ہوتے سورۃ فاتحہ مع بسم اللہ پڑھیے اور گرہ دیتے ہوئے گرہ پر پھونکیے۔ پھر اس دھاگہ کو گنڈا بنا کر حاملہ کے گلے میں ڈال دیجیے اور جب بچہ پیدا ہو جائے تو ماں کے گلے سے اتار کر بچہ کے گلے میں پہنا دیجیے۔ انشاء اللہ بچہ ام الصبیان سے محفوظ رہے گا، مگر یہ پڑھنا اور پھونکنا باوضو ہو۔

دودھ کی کمی کے لئے ۔ پسے ہوئے نمک پر و الوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعۃ اور آیت کریمہ ان لکم فی الانعام لعبرۃ نسقیکم مما فی بطونہ من بین فرث ودم لبنا خالصا

سائغا للشار بین باوضو گیارہ گیارہ مرتبہ پڑھ کر پھونکیں اور وہ نمک ارد کی دال میں ڈال کر عورت کو کھلا دیا کریں انشاء اللہ کامیابی ہوگی۔

دعائے گنج العرش گنج العرش کی بجائے دلائل الخیرات پڑھا کریں۔ یہ بہت مفید ہے۔

جادو کا علاج سحر زدہ شخص پر ہر دو عمل کیجیے۔ انشاء اللہ کامیابی ہوگی۔

۱۔ کھانے کے نمک کو پیس کر اس پر باوضو مندرجہ ذیل آیات ایک ہزار مرتبہ پڑھ کر پھونکیے اور کھانے میں صرف یہی نمک ملا کر دیا کیجیے۔ ۴۰ دن تک متواتر ایسا ہی کھانا کھلایا کریں جس میں یہی نمک ڈالا گیا ہو۔ اسکی صورت یہ ہوتی ہے کہ یا تو اس کا کھانا علیحدہ پکایا جائے اور اس میں یہ نمک ڈالا جائے یا گھر میں جو سالن پکتا ہے اس میں ابتداء سے نمک نہ ڈالا جائے۔ جب پک جائے تو مریض کے لیے کھانا علیحدہ نکال کر پڑھا ہوا نمک ملا دویں اور گھر کے کھانے میں بے پڑھا نمک حسب عادت ڈالا جائے۔ آیات یہ ہیں واذا قتلتم نفسا فادارئتم فیھا واللہ مخرج ماکنتم تکتمون۔ فقلنا اضربوہ ببعضھا کذلک یحیی اللہ الموتیٰ ویریکم ایاتہ لعلکم تعقلون۔

۲۔ جاری پانی دریا یا نہر کا یا سات کنوؤں کا بھر کر ایک گھڑا باوضو مندرجہ ذیل آیات ۱۱ مرتبہ اور سورۂ فلق اور سورۂ ناس ۱۱۔ ۱۱ مرتبہ پڑھ کر پھونکیں اور مریض کو اس پانی سے تین گھونٹ پلائیں اور باقیماندہ پانی سے سر پہ پانی ڈالکر نہلائیں بلاناغہ چالیس دن تک یہی عمل کریں۔ آیات یہ ہیں۔ فلما القوا قال موسیٰ ماجئتم بہ السحر۔ ان اللہ سیبطلہ ان اللہ لا یصلح عمل المفسدین۔ ویحق اللہ الحق بکلماتہ ولو کرہ المجرمون ــ فوقع الحق وبطل ما کانوا یعملون۔ فغلبوا ھنالک وانقلبوا صاغرین۔ والقی السحرۃ ساجدین۔ قالوا اٰمنا برب العٰلمین۔ رب موسیٰ وھارون ــ انّ ما صنعوا کید ساحر۔ ولا یفلح الساحر حیث اتیٰ۔ یہ عمل اتوار کے دن سے شروع کیا جائے۔ جاڑے میں دوپہر کو نہلانا بہتر ہوگا۔

ہمارے یہاں ٹیکسٹائل ملز کے سپیئر پارٹ اور ہر قسم کے سپرنگ تیار ہوتے ہیں

پاکستان سپرنگ مینوفیکچرنگ کمپنی

برانڈرتھ روڈ، رام گلی نمبر ۱، لاہور: فون 66065

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہم العالی کا پیغام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شکریہ و معذرت

مخلصین و محبین کی خدمت میں عرض گزار ہوں کہ اہلیہ مرحومہ کی وفات پر سینکڑوں ٹیلی گرام اور نامہائے تعزیت موصول ہوئے اور بہت سے اصحاب اخلاص و مودّت نے ایصالِ ثواب کے لیے ختم کیے اور کرائے، ان تمام حضرات کا تہ دل سے شکر گزار ہوں۔ حق تعالےٰ انکو جزائے خیر عطاء فرمائے۔ سب حضرات کو علیحدہ علیحدہ جواب دینے سے قاصر ہوں۔ ان کلمات پر قناعت کرتے ہوئے امید ہے کہ ترکِ جواب کا مواخذہ نفرمائیں گے۔

والسلام

(حضرت مولانا) محمدؐ یوسف بنوری

مدرسۃ العربیۃ الاسلامیۃ ۔ نیوٹاؤن کراچی نمبرہ

۱۹ ربیع الاوّل ۱۳۹۲ھ

ایک ضروری گذارش

قارئین کرام سے مکرر گذارش کی جاتی ہے کہ انوارِ مدینہ کی توسیع اشاعت کے سلسلے میں ادارہ سے تعاون فرمایا جائے یہ ایک دینی رسالہ ہے اس لیے اسے پھیلانا اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس کے علمی مضامین سے استفادہ پر آمادہ کرنا باعثِ ثواب ہے۔ لہٰذا درخواست ہے کہ اس سلسلے میں آپ جسقدر بھی تعاون فرما سکتے ہیں ضرور فرمایئے۔

ہم ایسے تمام معزز قارئین سے جن کی خدمت میں اب تک رسالہ اعزازی طور پر بھیجا جا رہا ملتمس ہیں کہ اگر وہ آئندہ سالانہ چندہ ارسال فرما کر اس کی خریداری قبول فرمالیں تو بہت بہتر ہوگا۔ اس طرح سے جامعہ مدنیہ کا بوجھ بھی ہلکا ہو جائے گا اور وہ بھی اس کارِ خیر کی معاونت پر اجر کے مستحق ہونگے اور ممکن ہے کہ ان کے تعاون سے ہم رسالہ کو اس سے زیادہ بہتر شکل میں قارئین کی خدمت میں پیش کر سکیں۔

(جناب محترم) ماسٹر عطاءُ اللہ خاں۔ مینجر ماہنامہ انوارِ مدینہ۔ جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور

خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجیے

قسط: ۵ — آخری

دُعا کی افادیت و اہمیّت

خطیب اسلام حضرۃ مولانا محمّد اجمل صاحب مدظلہٗ

حضرت مولانا محمدؐ اجمل صاحب مدظلہٗ کی ذاتِ گرامی محتاجِ تعارف نہیں ہے۔ بہت سی دوسری خوبیوں سے آراستہ ہونے کے ساتھ ساتھ آپ ایک بہترین خطیب اور منجھے ہوئے مضمون نگار بھی ہیں ــــ "دُعا کی افادیت و اہمیت" پر لکھا ہوا آپ کا یہ شاندار مضمون بہت پسند کیا گیا۔ بہت سے قارئین "انوارِ مدینہ" کی طرف سے حضرت مولانا کو تعریفی خطوط بھی موصول ہوتے ہیں اور بعض احباب نے یہ فرمائش بھی کی ہے کہ اس اہم اور مدلل مضمون کو کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔ خود ہماری بھی یہ خواہش ہے کہ اسے ضرور کتابی شکل میں طبع کرنا چاہیئے۔ امید ہے حضرت مولانا مدظلہٗ ہمارے اور اپنے دیگر احباب کے اس مطالبہ کو رد نہیں فرمائیں گے ــــ جونہی یہ مضمون کتابی صورت میں منظرِ عام پر آجائیگا ہم قارئین "انوارِ مدینہ" کو فوراً مطلع کر دیں گے۔ انشاء اللہ ــــ حضرت مولانا سے گذارش ہے کہ آئندہ بھی انوارِ مدینہ کو اپنے نگارشاتِ قلم سے نوازتے رہیں۔

دعاء کے متعلق چند شبہات اور انکے جوابات

دعاء کے بارے میں بعض عقل پرستوں کو یہ شبہ لاحق ہوتا ہے کہ جو بات دُعاء میں طلب کی جارہی ہے تقدیر میں اس کا واقع ہونا لکھا جا چکا ہے یا واقع نہ ہونا مسطور ہے۔ اگر تقدیر میں یہ لکھا ہے کہ ضرور واقع ہوگی تو دعاء کرنے سے کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ اسے کو واقع ہونا ہی ہے اور اگر نوشتۂ تقدیر یوں ہے کہ وہ واقع نہیں ہوگی تو انسان خواہ کتنی ہی دعاء کیوں نہ کرے وہ ہرگز واقع نہیں ہو سکتی۔ اس صورت میں بھی دُعاء سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

اس شبہ کے جوابات دو طریقوں سے دیئے جاتے ہیں۔ الزامی اور تحقیقی

وَالجَوَابُ عَنِ الشُّبْهَةِ الْاُوْلیٰ اَنَّهَا مُتَنَاقِضَةٌ ۔ لِاَنَّ اِقْدَامَ الْاِنْسَانِ عَلَی الدُّعَاءِ اِنْ کَانَ مَعْلُوْمَ الْوُقُوْعِ

شبہہ اولیٰ کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ شبہہ خود ہی متناقض اور باطل ہے اگر علم ازلی میں بندہ کا اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے دعاء کرنا مقدّر

فَلَا فَائِدَةَ فِي اشْتِغَالِكُمْ بِالدُّعَاءِ. وَاِنْ كَانَ مَعْلُوْمُ الْعَدَمِ لَمْ يَكُنْ اِلٰى اِنْكَارِكُمْ حَاجَةٌ. ثُمَّ نَقُوْلُ كَيْفِيَّةُ عِلْمِ اللّٰهِ وَكَيْفِيَّةُ قَضَائِهٖ وَقَدَرِهٖ غَائِبَةٌ عَنِ الْعُقُوْلِ. وَالْحِكْمَةُ الْاِلٰهِيَّةُ تَقْتَضِيْ اَنْ يَكُوْنَ الْعَبْدُ مُعَلَّقًا بَيْنَ الرَّجَاءِ وَبَيْنَ الْخَوْفِ اللَّذَيْنِ بِهِمَا تَتِمُّ الْعُبُوْدِيَّةُ. وَبِهٰذَا الطَّرِيْقِ صَحَّحْنَا الْقَوْلَ بِالتَّكَالِيْفِ مَعَ الْاِعْتِرَافِ بِاِحَاطَةِ عِلْمِ اللّٰهِ بِالْكُلِّ وَجَرَيَانِ قَضَائِهٖ وَقَدَرِهٖ فِي الْكُلِّ. وَلِهٰذَا الْاِشْكَالِ سَأَلَتِ الصَّحَابَةُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَقَالُوْا اَرَاَيْتَ اَعْمَالَنَا هٰذِهٖ اَشَيْءٌ قَدْ فُرِغَ مِنْهُ. اَمْ اَمْرٌ يُسْتَاْنَفُ. فَقَالَ بَلْ شَيْءٌ قَدْ فُرِغَ مِنْهُ. فَقَالُوْا. فَفِيْمَ الْعَمَلُ اِذَنْ؟ قَالَ اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِّمَا خُلِقَ لَهٗ. فَانْظُرْ اِلٰى لَطَائِفِ هٰذَا الْحَدِيْثِ فَاِنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَّقَهُمْ بَيْنَ

ہے (تو وہ ضرور دُعاء کر کے رہے گا) پھر انکے سامنے آپ کا دعاء کے بیکار ہونے کے دُلائل پیش کرنا بے سُود ہے اور اگر نوشتہ تقدیر یوں ہے کہ بندہ اپنی مقصد برآری کے لیے دعاء نہیں کرے گا (تو وہ پہلے ہی دعاء نہیں کر رہا) تو پھر اس کے سامنے دعاء کے خلاف دلائل پیش کرنے کی ضرورت کیا؟

پھر ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کے علم اور اس کے قضا و قدر کی کیفیت انسانی عقول سے مخفی و پوشیدہ ہے اور حکمت الٰہیہ اس بات کی متقاضی ہے کہ بندہ امید اور خوف کے درمیاں رہے، کیونکہ ان ہی (دو ملے جلے جذبات) سے عبودیت کی تکمیل ہوتی ہے اور تکالیف شرعیہ (بندے کے مکلّف ہونے) کی بات بھی تو مسلم ہے۔ باوجود اس اعتراف کے کہ اللہ تعالیٰ کا علم تمام اشیاء کو محیط ہے اور اسکی قضاء و قدر تمام اشیا میں جاری و ساری ہے، چنانچہ صحابہ کرام نے بھی اس اشکال کے متعلق نبی کریمؐ سے دریافت کیا تھا کہ یا رسول اللہ ہم دنیا میں جو عمل کرتے ہیں کیا ان کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہے یا ہمارے عمل کرنے کے بعد ہوتا ہے آپنے فرمایا تمام اعمال کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا پھر عمل سے کیا

الآمرين فرهبهم سابق القدر المفروغ منه ثم الزمهم العمل الذي هو مدرجة التعبد۔

فائدہ ؟ آپ نے فرمایا کہ عمل کرتے رہو۔ ہر شخص کے لیے وہ کام آسان کر دیا جاتا ہے جس کے لیے وہ پیدا ہوتا ہے (یعنی جس کے مقدر میں جو کچھ لکھا گیا ہے۔ اسے اسی راہ پر لگا دیا جاتا ہے) اس حدیث کے لطائف پر غور کیجیے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انکو قضاء و قدر سے بھی آگاہ کر دیا (یعنی تمام اعمال کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہے) اور ساتھ ساتھ عمل کی بھی تاکید فرمادی جو اظہار بندگی کا ایک ذریعہ ہے۔

(تفسیر کبیر ص ۱۰۹ پ ۲۵)

بعض لوگ دعاء پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ تو ہر انسان کی ہر ڈھکی چھپی چیز سے واقف ہے وہ یہ بھی جانتا ہے کہ انسان کو کیا حاجت درپیش ہے اور اس کے دل میں کونسی خواہش پیدا ہو رہی ہے ؟ پھر دُعاء کے ذریعے اسے اپنی حاجت یا خواہش ظاہر کرنے سے کیا فائدہ ؟

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ دُعاء کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ اللہ تعالےٰ کو اپنی حاجت اور خواہش سے واقف کرایا جائے۔ بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ بندہ اپنی حاجت کو حاصل کرنے کے لیے اپنے پروردگار کے سامنے عبودیت اور مسکنت کا اظہار کرے اور اپنے عمل سے یہ واضح کر دے کہ وہ ہر معاملہ میں اپنے آپ کو خدا کا محتاج سمجھتا ہے اور اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی تمام حاجتوں کو پورا کرنے پر قادر ہے اور وہی اس لائق ہے کہ اپنی ہر ضرورت کے لیے اسکی طرف رجوع کیا جائے۔

چنانچہ امام رازیؒ فرماتے ہیں۔

وَالجوابُ عَنِ الشُّبهةِ الثَّانيةِ۔ اَنَّهٗ ليسَ المقصُودُ مِنَ الدُّعاءِ الاِعْلامُ۔ بَلْ اِظْهارُ العُبودِيَّةِ وَالذِّلَّةِ وَالانكِسارِ وَالرُّجُوعِ اِلَى اللهِ بِالكُلِّيةِ۔ (ج ۵۔ ص ۱۰۹)

بعض لوگ دُعا پر اعتراض کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ تو اپنے بندے پر بہت مہربان ہے لہٰذا جس چیز کو بندہ طلب کر رہا ہے۔ اگر اسمیں بندے کی مصلحت ہے تب تو اللہ دُعا کے بغیر ہی اپنی مہربانی سے اسے عطا فرمادیگا اور اگر بندے کیلیے خلاف مصلحت

ہے تو اسے طلب کرنا فضول ہے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ بندگی کا اعلیٰ مقام تو یہ ہے کہ انسان راضی برضاء ہوجائے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ اس کے بارے میں فیصلہ فرمادے اسے ہنسی خوشی قبول کرے۔ اس کے برعکس دُعاء سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بندہ خدا کے فیصلوں پر راضی ہونے کے بجائے اپنی خواہشات کی تکمیل چاہتا ہے۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ بندہ ابتداء دعا و مناجات اور الحاح وزاری کے ذریعہ خدا کے سامنے اپنی احتیاج ظاہر کرے اپنے عمل سے بے چارگی کو تسلیم کرلے اور یہ واضح کردے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ کی رحمت سے بے نیاز نہیں سمجھتا۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس کے لیے جو فیصلہ فرمادے اس پر راضی ہوجائے۔ تو یہ بندگی کا زیادہ بلند مقام ہے۔ اس کے برخلاف اگر شروع سے ہی دعاء نہ کرے تو اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ بندہ اپنے آپ کو بے نیاز سمجھتا ہے، چنانچہ امام رازی فرماتے ہیں:

وَعَنِ الرَّابِعَةِ اَنَّہٗ اِذَا کَانَ مَقْصُوْدُہٗ مِنَ الدُّعَاءِ اِظْهَارَ الذِّلَّةِ وَالْمَسْكَنَةِ ثُمَّ رَضِیَ بِمَا قَدَّرَہُ اللّٰہُ وَقَضَاہُ۔ فَذَالِكَ مِنْ اَعْظَمِ الْمَقَامَاتِ۔ (تفسیر کبیر ص ۱۰۹، ج ۵)

قبولیت دعاء کے بارے میں ایک مشہور اشکال

فَاِنْ قِيْلَ قَوْلُہٗ تَعَالٰی (فَاِنِّیْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ) يَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ يُجِيْبُ دُعَاءَ الدَّاعِيْنَ۔ وَنَحْنُ نَرٰی كَثِيْرًا مِّنَ الدَّاعِيْنَ لَا يُسْتَجَابُ لَهُمْ۔

ترجمہ۔ پس اگر یہ شبہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان یہ ہے۔ جب دعاء کرنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دُعاء قبول کرتا ہوں، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر دعاء کرنے والوں کی دُعاء قبول نہیں ہوتی۔

تو اس کے جوابات شیخ زادہ نے حاشیہ بیضاوی ص ۴۹۰ - ج ۱، میں اور امام قرطبی تفسیر قرطبی امام رازیؒ نے تفسیر کبیر ص ۱۰۹، ج ۵ میں لکھے ہیں۔ امام رازیؒ نے ایک جواب تو یہ دیا کہ آیت مذکورہ بالا میں اللہ تعالیٰ نے قبولیت دُعاء کا وعدہ علی الاطلاق ذکر فرمایا ہے۔ مگر دوسری جگہ اس وعدے کے ساتھ ایک قید لگی ہوئی ہے

چنانچہ ارشاد ہے۔ فیکشف ما تدعون الیہ ان شاء (سورۃ انعام) ترجمہ: اگر وہ چاہتا ہے تو اس چیز کو کھول دیتا ہے جس کی تم دُعاء کرتے ہو۔ لہٰذا اصول فقہ کے قاعدے کی رُو سے مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا اور امام فخرالدین رازیؒ نے اپنی تفسیر میں اسی مقام پر اس شبہ کے متعدد جوابات دیے ہیں بخوفِ طوالت اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ طالب تفصیل حضرات اصل کتاب کی طرف مراجعت فرما سکتے ہیں۔

البتہ محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر رازی کی کتاب (مسائل الرازی واجوبتہا۔ ص ۱۳) سے جامع اور مختصر جوابات پیش کیے جا رہے ہیں۔

قُلْنَا رُوِیَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ دَعَا اللّٰہَ بِدَعْوَۃٍ لَیْسَ فِیْھَا قَطِیْعَۃُ رَحْمٍ وَلَا اِثْمٍ اِلَّا اَعْطَاہُ اللّٰہُ بِھَا اِحْدٰی ثَلٰثِ خِصَالٍ اِمَّا اَنْ یُّعَجِّلَ دَعْوَتَہٗ۔ وَ اِمَّا اَنْ یَّدَّخِرَھَا لَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ۔ وَاِمَّا اَنْ یَّدْفَعَ عَنْہُ مِنَ السُّوْءِ مِثْلَھَا۔ وَلِاَنَّ قَبُوْلَ الدُّعَاءِ شَرْطُہُ الطَّاعَۃُ لِلّٰہِ تَعَالٰی وَاَکْلُ الْحَلَالِ وَحُضُوْرُ الْقَلْبِ وَقْتَ الدُّعَاءِ فَمَتٰی اجْتَمَعَتْ ھٰذِہِ الشُّرُوْطُ حَصَلَتِ الْاِجَابَۃُ وَلِاَنَّ الدَّاعِیَ قَدْ یَعْتَقِدُ مَصْلَحَتَہٗ فِی الْاِجَابَۃِ۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی یَعْلَمُ اَنَّ مَصْلَحَتَہٗ فِیْ تَاْخِیْرِ مَا سَاَلَ

(ترجمہ) ہم جواب دیتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ جب کوئی مسلمان کوئی ایسی دُعا کرتا ہے جس میں گناہ اور صلہ رحمی کا منقطع کرنا نہ ہو تو یقیناً اسے ان تین چیزوں میں سے ایک عطا کی جاتی ہے یا بالعجلت اسکی دُعا قبول کر لی جاتی ہے۔ یا آخرت کے لیے ذخیرہ بنالی جاتی ہے یا اس سے اس حیثیت کی بُرائی دفع کر دی جاتی ہے (تو آنحضرت کا یہ ارشاد اس سوال کا پورا پورا جواب ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالےٰ نے یہی فرمایا کہ میں تمہاری دُعاء قبول کرونگا۔ یہ تو نہیں فرمایا کہ فوراً قبول کرونگا۔ اگر اس کی دُعاء کا دنیا کے بجائے آخرت میں فائدہ پہنچے تب بھی وعدہ بالکل سچا ہے۔) نیز قبولیت دُعاء کے لیے طاعت خداوندی اور اکلِ حلال اور حضور قلب بوقتِ دُعا شرط ہیں پس جب یہ شرائط متحقق ہونگی تو قبولیتِ دعا بھی متحقق ہوگی۔

اَوْفِیْ مَنْعِہٖ فَیُجِیْبُہٗ اِلٰی مَقْصُوْدِہِ الْاَصْلِیِّ وَھُوَ طَلَبُ الْمَصْلَحَۃِ فَیَکُوْنُ قَدْ اُجِیْبَ وَ ھُوَ یَعْتَقِدُ اَنَّہٗ مُنِعَ عَنْہُ۔ (انتہٰی)

نیز دعا کرنے والا اپنی مصلحت قبولیت دُعا ہی میں سمجھتا ہے۔ حالانکہ علم باری تعالیٰ میں اسکے لیے بہتری قبولیتِ دعا کی تاخیر یا ردّ میں ہوتی ہے اور اللہ تعالےٰ بندہ کے مقصود اصلی یعنی اسکی مصلحت کے مطابق اجابت فرماتے ہیں۔

اور علامہ محمود نسفیؒ تفسیر مدارک جلد اوّل میں اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ کے تحت ایک اور جواب لکھتے ہیں۔

اِجَابَۃُ الدُّعَاءِ وَعْدٌ صِدْقٌ مِّنَ اللّٰہِ لَاخُلْفَ فِیْہِ غَیْرَ اَنَّ اِجَابَۃَ الدَّعْوَۃِ تُخَالِفُ قَضَاءُ الْحَاجَۃِ فَاِجَابَۃُ الدَّعْوَۃِ اَنْ یَّقُوْلَ الْعَبْدُ یَا رَبِّ فَیَقُوْلُ اللّٰہُ لَبَّیْکَ عَبْدِیْ وَھٰذَا اَمْرٌ مَوْعُوْدٌ مَوْجُوْدٌ لِکُلِّ مُؤْمِنٍ وَ قَضَاءُ الْحَاجَۃِ وَاِعْطَاءُ الْمُرَادِ وَذَالِکَ قَدْ یَکُوْنُ نَاجِزًا وَقَدْ بَعْدَ مُدَّۃٍ وَقَدْ یَکُوْنَ فِی الْاٰخِرَۃِ وَ قَدْ تَکُوْنُ الْخَیْرَ لَہٗ فِیْ غَیْرِہٖ۔

(ترجمہ) اجابتِ دعا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک سچا وعدہ ہے جس میں تخلف کو کچھ دخل نہیں البتہ اجابتِ دُعا حاجت کو پورا کر دینے کا نام نہیں، کیونکہ اجابت دعا کے تو یہ معنی ہیں کہ بندہ یا رب کہہ کر پکارے تو اللہ تعالیٰ اسکے پکارنے پر لبّیک کہے اور یہ امر ہر حالت میں، ہر مؤمن کیلیے موعود ہے اور حاجت پورا کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ دعا کرنے والے کو اسکا مطلوب دیا جائے اور مطلوب کا دیا جانا کبھی تو فی الفور وقوع میں آتا ہے اور کبھی کچھ مدت کے بعد اور کبھی آخرت کے ثواب میں داخل کر دیا جاتا ہے۔

اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مطلوب کے علاوہ کوئی اور شئی مناسب اس کو دی جاتی ہے۔

اور حضرت قاضی ثناء اللہ بیہقی وقت اپنی تفسیر مظہری جلد اول صـ۲۰۲ میں فرماتے ہیں۔

وَالتَّحْقِیْقُ فِی الْبَابِ عِنْدِیْ اَنَّ مَا ذَکَرْنَا مِنَ الْاَقْوَالِ کُلُّھَا صَحِیْحَۃٌ

ترجمہ۔ میری تحقیق در بارہ دعا یہ ہے کہ ہم نے جتنے اقوال اوپر ذکر کیے ہیں وہ سب صحیح، درست ہیں

وانّہٗ لیس کلُّ دعاءٍ مستجابٌ۔ ومدلولُ الاٰیۃِ انّ مقتضی الدعاءِ الاجابۃُ فانّہٗ تعالٰی جوادٌ کریمٌ قادرٌ علٰی کلِّ شیءٍ ومن کان ھذا صفتہٗ لا یمنع مسئولہٗ عقلاً و نقلاً روی الترمذی و ابوداؤد عن سلمانؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انّ ربّکم حیٌّ کریمٌ یستحیی من عبدہٖ اذا رفع یدیہ ان یردّھما صفراً۔ وانّما یظھر تخلّفُ الاستجابۃ عن الدعاءِ او تاخّرہٗ عنہ امّا الحکمۃِ او لمانعٍ من الاستجابۃ او فقد شرط عقوبۃً للداعی ــــ واللہ اعلم۔

اور یہ بات بھی محقق ہے کہ ہر دعاء مستجاب نہیں ہوتی اور آیت کا مدلول تو یہ ہے کہ دعاء کا مقتضیٰ قبولیت ہے اس لیے کہ اللہ تعالےٰ جوّاد اور فضل و کرم والے اور ہر چیز پر قادر ہیں اور جس ذات پاک کی یہ صفات ہوں اس ذات سے مطلوبہ چیز کا حاصل نہ ہونا عقلاً و نقلاً بعید ہے، چنانچہ ترمذی اور ابوداؤد نے حضرت سلمان فارسی سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ زندہ اور فضل و کرم والے ہیں۔ جب بندہ انکی جناب میں دستِ سوال پھیلاتا ہے تو اُسے خالی ہاتھ لوٹانے میں شرم آتی ہے، البتہ بسا اوقات دعاء کا مستجاب نہ ہونا یا اسکی قبولیت میں تاخیر کا رونما ہونا یا تو کسی حکمت کے ماتحت ہوتا ہے یا قبولیت دعاء کے کسی مانع کی وجہ سے ہوتا ہے یا دُعا کرنے والے کی عقوبت کے لیے ہوتا ہے جبکہ شرائط دعاء مفقود ہوں۔

کسی صاحبِ دل نے کیا خوب کہا۔

کیوں نہیں ہوتی دعاء میری قبول — ہے تیرا یہ اعتراض از بس فضول
بخشتا ہے شئے وہی جو ہو مفید — چاہے کچھ ہی کیوں نہ ہو اپنی اُمید

المکہ پریس
خلیق و دیانتدار عملہ
بہترین و بارعایت طباعت
۵۔ شارع فاطمہ جناح، لاہور

دیارِ مدینہ

قدم اٹھ رہے ہیں میرے سوئے بطحا — نظر میں بسا ہے دیارِ مدینہ
دکھا دے الٰہی! مدینے کا کعبہ — سنبھل جائے یہ بیقرارِ مدینہ
میں روضے کی مٹی کا سُرمہ بناؤں — ہے حسرت مری تاجدارِ مدینہ
نظیر اسکی دنیا نے دیکھی نہیں ہے — ہے صد رشکِ جنت دیارِ مدینہ
وہ کوثر کے قطرے وہ طیبہ کی شبنم — مرے دل سے پوچھو خمارِ مدینہ
وہ محراب و منبر وہ مینار و مسجد — دل افروز نقش و نگارِ مدینہ
مدینے کی گلیاں مدینے کا منظر — سمایا ہے دل میں دیارِ مدینہ
یہ دریائے دل میں تلاطم کا عالم — قیامت کا یہ اضطرارِ مدینہ
مدینے کی گلیوں میں آنکھیں بچھاؤں — ہے راحت فزا رہگذارِ مدینہ
محمدؐ کا روضہ بہاروں کا مسکن — بہاروں کا حاصل بہارِ مدینہ
وہ قریہ بہ قریہ منوّر فضائیں — مہکتا ہوا وہ غبارِ مدینہ
ان آنکھوں پہ میرے دل و جان صدقے — جن آنکھوں نے دیکھا دیارِ مدینہ
وہ فردوسِ رحمت مدینے کا گلشن — کہ باغِ ارم بھی نثارِ مدینہ
نسیمِ مدینہ بہارِ دل و جاں — بہارِ جناں ہے بہارِ مدینہ
تصدق ترے گیسوئے عنبریں کے — معطر ہے اب تک دیارِ مدینہ
میں دنیا کے پھولوں سے اکتا گیا ہوں — مجھے گل سے بڑھ کر ہیں خارِ مدینہ
دو عالم کے ساقی عطا ہو اسے بھی — کہ غازؔی بھی ہے میگسارِ مدینہ

جناب محترم
مسلم غازی صاحب
رکن مجلس ادارت
ماہنامہ منبر الاسلام
کراچی

الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مولفہٗ: قاضی ابو الفضل عیاض بن موسیٰ الاندلسی
مترجمہٗ: محترم نور محمد صاحب غفاری ایم اے ، بہاولنگر

الباب الاول

فی ثناء اللہ تعالیٰ علیہ واظہارہ عظیم قدرہ لدیہ

دوسری فصل

{ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو منصب شہادت عطا فرمایا ہے اس کے بیان میں اور اس مدح اور بزرگی کے بیان میں جس کا تعلق منصب شہادت سے ہے۔ }

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ۙ وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا (الاحزاب : ۴۵ ، ۴۶)

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) یقیناً ہم نے تمہیں گواہ، خوشخبری دینے والا، ڈرانے والا، اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اللہ تعالیٰ کی طرف (لوگوں کو) دعوت دینے والا اور چمکتا ہوا سورج بنا کر بھیجا۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے جناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ان مخصوص مراتب (جن کی وجہ سے آپ کو دیگر انبیاء علیہم السلام اور انسانوں پر فضیلت دی گئی ہے) کی متنوع اقسام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ستائش کے قابل تمام اوصاف کو اکٹھا کر دیا ہے۔ مثلاً

۱۔ شاهدًا۔ گواہ : آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذات کے لیے آپ کی امت پر گواہ مقرر کیا گیا ہے۔ آپ اس امر کی شہادت دیں گے کہ آپ نے امت تک دین کی دعوت باتمام کمال پہنچا دی اور یہ (آپ کا اپنی ذات

پر گواہ ہونا) آپ کے خصائصِ کبریٰ[1] میں ہے (اور یہ آپ کا اپنی ذات کے لیے گواہی دینا آپ کی شہادت کی پہلی صورت ہے)

۲۔ مُبَشِّراً ۔ خوشخبری دینے والا ۔ جن مردانِ حق نے آپ کے سامنے سرِ اطاعت خم کر دیا ۔ آپ انہیں (دنیا و عقبیٰ کی فوز و فلاح کی) بشارت دیں گے ۔ (اللّٰھم اجعلنا منھم)

۳۔ نَذِیراً ۔ ڈرانے والا ۔ جن بدبخت لوگوں نے آپ کا انکار کیا اور معصیت کی روش اختیار کی آپ انہیں (آخرت کے دردناک عذاب سے) ڈرانے والے ہیں ۔ (والعیاذ باللّٰہ)

۴۔ داعِیاً ۔ پکارنے والا ۔ آپ انسانوں کو اللّٰہ تعالیٰ کی واحدانیت کا درس دینے والے ہیں اور اللّٰہ تعالیٰ کی عبادت کی ترغیب دینے والے ہیں

۵۔ سِرَاجاً مُّنِیراً ۔ روشن سورج ۔ آپ صلی اللّٰہ علیہ وسلم چمکتے ہوئے سورج ہیں جن کے ذریعے (کفر و شرک کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں بھٹکے ہوئے انسانوں کو) حق کی ہدایت نصیب ہوتی ہے ۔

آنحضرتؐ کی مدح و ستائش تورات سے قرآن تک

ہمیں شیخ ابو محمّد بن عتابؒ نے اور وہ حضرت ابوالقاسم حاتم بن محمّد سے وہ حضرت ابوالحسن القابسیؒ وہ حضرت ابو زید مروزیؒ سے وہ حضرت ابو عبداللّٰہ بن محمّد یوسفؒ سے وہ حضرت امام بخاریؒ سے وہ حضرت محمد بن منانؒ سے وہ حضرت فلیحؒ سے وہ حضرت ہلالؒ سے وہ حضرت عطاء بن یسارؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا ۔ میری حضرت عبداللّٰہ بن عمرو بن العاص رضی اللّٰہ عنہما سے ملاقات ہوئی میں نے ان سے عرض کیا ۔ "مجھے جناب صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے (ان) اوصاف کے متعلق آگاہ فرمائیں (جو[2] تورات میں مذکور ہیں) حضرت عبداللّٰہ بن عمرو بن العاصؓ نے فرمایا ۔ "اچھا بتاتا ہوں، اللّٰہ کی قسم! آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی تورات میں بعض ایسی صفات مذکور ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے ۔ مثلاً "اے نبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو انسانوں کی طرف گواہ (نیکوکاروں کو) بشارت دینے والا (گناہگاروں کو دوزخ کے عذاب سے) ڈرانے والا اور ناخواندہ انسانوں کا نگہبان بنا کر بھیجا ۔ تو میرا بندہ اور رسول ہے ۔ میں نے تیرا نام متوکل

---

[1] خصائصِ کبریٰ ۔ اللّٰہ تعالیٰ نے آپ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کو چند ایسے اوصاف سے نوازا ہے جو دیگر انبیاء کرامؑ کو نہیں ملے مثلاً آپ کی اُمت کے لیے ساری زمین معبد ہے ۔ نمازِ عشاء صرف آپ کی اُمت کے لیے فرض ہے ۔ آپ خاتم النبیین ہیں وغیرہ انہیں خصائص میں ایک آپ کا اپنی ذات کے لیے اور دیگر انبیاء اور انسانوں کے لیے قیامت کے دن گواہ بننا ہے ۔ (مترجم ن ۔ غ)

[2] حضرت عبداللّٰہؓ تورات کے عالم تھے ۔ (کمافی نسیم الریاض عن خفاجیؒ)

تجویز کیا ہے۔ (تو نامساعد حالات میں بھی اللہ پر توکل کرنے والا ہے) نہ بد خلق ہے۔ نہ سخت دل ہے۔ نہ بازاروں میں گلہ پھاڑ کر بولنے والا ہے۔ نہ برائی کا جواب برائی سے دیتا ہے بلکہ درگذر سے کام لیتا ہے اور معاف کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تجھے اس وقت تک موت نہیں دے گا جب تک تیرے ذریعے سے ایک کج رو قوم (عرب یا عام) کی اصلاح نہ ہو جائے اور وہ سارے کے سارے لا الہ الا اللہ کا اقرار کرنے والے نہ بن جائیں۔ آپ کے طفیل اللہ تعالیٰ (دل کی) اندھی آنکھیں روشن کرے گا، بہرے کانوں کو قوت سامعہ سے نوازے گا اور جن دلوں پر کفر و نفاق کے تالے پڑ چکے ہیں انہیں کھولے گا۔

اسی قسم کا ذکر حضرت عبداللہ بن سلامؓ اور حضرت کعب الاحبارؒ کی روایات میں آیا ہے۔

حضرت ابن اسحاقؒ کی روایت

بعض طرق سے حضرت ابن اسحاقؒ سے یوں مروی ہے۔ "آپ بازاروں میں چیخ چیخ کر بولے، نہ کسی فحش (قول یا فعل) سے اپنی پاکیزہ فطرت کو داغدار ہونے دیا اور نہ کبھی نازیبا کلمات اپنی مبارک زبان سے نکالے۔ میں ہر خوبی سے اسے مزّین کروں گا اور ہر کریمانہ خصلت سے انہیں نوازوں گا۔ سکینہ آپ کا لباس، نیکی آپ کا طریقہ، خوفِ خدا آپ کا ضمیر، دانائی آپ کی عقل، سچائی اور وفا آپ کی سرشت، درگذر اور نیکی آپ کی عادت ثانیہ، عدل آپ کی سیرت، حق آپ کی شریعت، ہدایت آپ کا امام، اسلام آپ کی ملت[1] اور احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کا نام ہے۔ آپ کے طفیل میں گمراہی کے بعد ہدایت، جہالت کے بعد علم (کی روشنی) تنزل کے بعد ترقی، گم نامی کے بعد نام آوری، قلت کے بعد کثرت، تنگدستی کے بعد تونگری اور جدائی کے بعد ملاپ کی شکلیں پیدا کروں گا، مختلف دلوں کو پراگندہ خواہشات کو اور بٹی ہوئی قوموں کو اکٹھا کروں گا۔ آپ کی امت کو تمام امم سے بہتر بناؤں گا اور وہ امت لوگوں کے فائدے (ہدایت عام کرنے) کے لیے پیدا کی جائے گی۔

ایک دوسری حدیث

ایک دوسری حدیث پاک میں جناب صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اپنی ان صفات کے

---

[1] ملت سلام کے متعلق حضرت عبداللہ بن سلامؓ کا کیا ہی اچھا شعر ہے۔

ابی الاسلام لا اب لی سواہٗ　　اذا افتخروا بقیسٍ او تمیم

یعنی جب لوگ قیس یا تمیم کی اولاد ہونے پر فخر کریں تو (میں کہوں گا کہ) میرا باپ اسلام ہے اس کے سوا میرا کوئی باپ نہیں۔

متعلق فرماتے ہیں جو توراۃ میں ہیں۔ "میرا بندہ احمد مختار ہے۔ وہ مکہ میں پیدا ہوا اس نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی۔ اس کی امّت ایسی ہے جو ہر حال میں (خوشی ہو یا غمی، تنگی ہو یا فراخی) اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْهِمْ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعَا ۨالَّذِیْ لَهٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَکَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ۔

وہ لوگ جو اس رسول کی پیروی کرتے ہیں جو نبی امّی ہے جسے اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ ان کو نیکی کا حکم کرتا ہے اور بُرے کام سے روکتا ہے اور ان کے لیے سب پاک چیزیں حلال کرتا ہے اور ان پر ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے ان کے بوجھ اور وہ قیدیں اتارتا ہے جو اُن پر تھیں۔ سو جو لوگ اس پر ایمان لائے اور اسکی حمایت کی اور اسے مدد دی اور اس نور کے تابع ہوئے جو اس کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ یہی لوگ نجات پانے والے ہیں، کہدو اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں جس کی حکومت آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ پس اللہ پر ایمان لاؤ اور اسکے رسول نبی امّی پر۔ جو کہ اللہ پر اور اسکے سب کلاموں پر یقین رکھتا ہے اور اسکی پیروی کرو تاکہ تم راہ پاؤ۔

(الاعراف: ۵۷-۵۸)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمدلی اور امت کے لیے شفقت

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ کُنْتَ

یہ تو اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی تھی جو آپ ان کے لیے

فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۔ (آل عمران: ۱۵۹)

نرم دل بن گئے اور اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو کوئی بھی آپ کے قریب نہ آتا۔

حضرت ابو اللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے اس آیۃ کریمہ میں مؤمنین پر اپنے احسان کا ذکر کیا ہے کہ اس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمدل مشفق اور نرم پہلوؤں والا بنایا اور اگر آپ تند مزاج اور بات کرنے میں سخت کلام ہوتے تو جو لوگ آپ کے ارد گرد تھے وہ بھی منتشر ہو جاتے۔ مگر (یہ) اللہ تعالیٰ (کا خاص فضل ہے کہ اس) نے آپ کو نرم (امت کے لیے) سہل پسند، ہنس مکھ، نیک اور پاکیزہ سرشت بنایا۔ اسی طرح کے مدحیہ کلمات آپ کے بارے میں حضرت ضحاکؒ نے فرماتے ہیں۔

آپ کی امت دیگر تمام انسانوں پر گواہ اور آپ اپنی امت پر گواہ ہونگے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وکذلک جعلنا کم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا ۔ (البقرۃ: ۱۴۳)

اور اس طرح ہم نے تمہیں امتِ وسط بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بن سکو اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تم پر گواہ ہو۔

علّامہ ابو الحسن القابسی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے اس آیت کریمہ میں جناب صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی فضیلت و بزرگی بیان فرمائی ہے۔ ایک دوسری آیت میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔

لیکون الرسول شھیداً علیکم و تکونوا شھداء علی الناس۔

اس لیے کہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ۔

اسی طرح ایک اور آیت میں فرمایا۔

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا (النساء)

پس اسوقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر ایک امت سے (ایک ایک) گواہ لائینگے اور تجھے (اے نبی) ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے۔

اور اللہ تعالےٰ کے فرمان "وسطاً" سے مراد عادل اور بہتر ہے (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت قیامت

کے دن دوسری امم کے لیے عدالت کریگی (یعنی اُن کے متعلق یہ گواہی دیگی کہ انہوں نے اپنے انبیاء کرام کی تعلیمات پر کہاں تک عمل کیا اور کہاں تک کفر کی روش اختیار کی) اور بہتر اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو ہی شہادت کا شرف حاصل ہے اور کسی کو نہیں - مترجم -

اور اس آخری آیت کا مطلب یوں ہے - "جیسے ہم نے تمہیں (اے امتِ مسلمہ) ہدایت دی پھر اسی طرح ہم نے تمہیں (شہادت کے مرتبہ کے لیے) مخصوص کیا اور تمہیں فضیلت دی، کیونکہ ہم نے تمہیں بہتر اور عدالت کرنے والی امت بنایا تاکہ تم قیامت کے دن انبیاء کرام کی طرف سے ان کی امتوں کے لیے گواہ بن سکو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری شہادت کی تصدیق کے لیے تم پر گواہ ہونگے -

روایت میں یوں آیا ہے کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ انبیاء کرام سے استفسار فرمائیں گے کہ کیا انہوں نے اللہ کا دین اپنی امتوں تک پہنچا دیا تھا تو وہ جواب دیں گے اے ہمارے رب "ہاں" تو انکی امتیں کہیں گی - اے اللہ ہمارے پاس تو کوئی جنت کی بشارت دینے والا آیا نہ دوزخ کے دردناک عذاب سے ڈرانے والا تو اس وقت جناب نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ان انبیاء کرام کے سچے ہونے کی گواہی دے گی - (اس پر وہ امتیں یہ اعتراض کریں گی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت تو ہمارے زمانہ میں موجود ہی نہیں تھی پھر یہ شہادت کیونکر دے رہی ہے؟ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت عرض کرے گی اے ہمارے پروردگار! ہم نے تو تیرے قرآن حکیم میں یوں پڑھا تھا کہ تمام انبیاء نے تیرے دین کی دعوت کا حق ادا کر دیا - اضافہ مترجم - اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی گواہی کا تزکیہ اور تصدیق فرمائیں گے (اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت دیگر تمام انبیاء کے لیے گواہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے گواہ ہوں گے -

اس آیت کا دوسرا مفہوم یوں بھی کیا گیا ہے - "اے امتِ مسلمہ! تم تمام جھٹلانے والی امتوں کے لیے (ان کے انبیاء کی طرف سے) دلیل ہو اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری دلیل ہیں - ان معانی کو حضرت ابو اللیث سمرقندیؒ نے حکایت کیا ہے -

آخری آیت

وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ　　　اور جو ایمان لائیں انہیں یہ خوشخبری سنائیے کہ انہیں

صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔ اپنے رب کے ہاں پہنچ کر پورا مرتبہ ملے گا۔

اس آیت شریفہ میں " قَدَمَ صِدْقٍ " کے مفسرین حضرات نے متعدد معانی بیان فرمائے ہیں مثلاً۔

۱ - حضرت قتادہ، حضرت حسن بصری اور حضرت زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا ہے کہ یہاں "قَدَمَ صِدْقٍ" سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت کی شفاعت فرمائیں گے۔

۲ - اور حضرت حسن بصریؒ نے ایک دوسرے معنے یہ بھی کیے ہیں کہ چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات امت کے لیے مصیبت تھی۔ لہٰذا اس مصیبت کے بدلے اللہ تعالیٰ امت پر قیامت کے دن رحم فرمائیں گے ان کے گناہ بخشیں گے۔

۳ - حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہاں "قدم صدق" سے مراد امت کے لیے ان کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہے، کیونکہ آپ اللہ تعالےٰ کے ہاں سچے شفاعت کرنے والے ہیں۔

۴ - حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ فرماتے ہیں یہاں "قَدَمَ صَدَقٍ" سے مراد اللہ تعالیٰ کی رحمت[۱] کا (امت کے گناہوں سے) سبقت لے جانا ہے اور یہ رحمت جناب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات میں رکھی گئی ہے۔

۵ - حضرت محمد بن علی ترمذیؒ " قَدَمَ صَدَقٍ " کے مفہوم میں فرماتے ہیں۔ "آپ صادقین اور صدیقین کے امام ہیں۔ آپ ایسے شفاعت کرنے والے ہیں جن (کی شفاعت) کو شرفِ قبولیت بخشا جائے گا اور ایسے سوال کرنے والے ہیں جن کا سوال کبھی رد نہیں کیا جاتا۔

اس مفہوم کو حضرت سلمیؒ نے بیان کیا ہے۔ (باقی آئندہ)

---

[۱] ۱۔ یعنی رحمت تو دیگر امم سابقہ پر بھی ہوگی، لیکن امت مسلمہ کے لیے جناب صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے خاص رحمت ہوگی جو امت کی غلطیوں سے سبقت لے جائے گی، یعنی کثرت گناہوں کے باوجود اس امت کی بخشش ہوگی، کیونکہ آپ اس امت کے نبی ہیں۔

۲۔ مخلوق کے لیے رحمت کی ابتدا آپ کے دم قدم سے ہوئی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ "میں اس وقت بھی نبی تھا۔ جب آدمؑ مٹی میں لتھڑے ہوتے تھے۔ اگر آپ پیدا نہ ہوتے تو نہ مخلوق ہوتی نہ مخلوق کے لیے رحمت؟ لولاک لما خلقت الخ میں یہی مضمون آیا ہے۔

۳۔ نبی اکرمؐ کی وفات سے امت کے لیے رحمت کی ابتدا ہوتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ یتیم امت پر شفقت فرماتے ہیں۔ (کما فی نسیم الریاض عن خفاجیؒ)

انتخاب و ترجمہ

مولوی محمّد عظیم بلوچستانی

قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

★

- اَلتُّجَّارُ یُحْشَرُوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فُجَّارًا اِلَّا مَنِ اتَّقٰی وَ بَرَّ وَصَدَقَ۔

تاجر قیامت کے روز فجار (نافرمان) اٹھائے جائینگے، لیکن وہ تاجر جس نے (خرید و فروخت میں) تقویٰ اختیار کیا، سچی قسم کھائی اور سچ بولا (وہ فجار میں نہیں اٹھایا جائیگا)

- اَلْوَحْدَۃُ خَیْرٌ مِّنْ جَلِیْسِ السُّوْءِ وَالْجَلِیْسُ الصَّالِحُ خَیْرٌ مِّنَ الْوَحْدَۃِ۔

تنہائی اور خلوت بُرے ہمنشین سے بہتر ہے اور اچھا رفیق خلوت سے بہتر (مفید) ہے۔

- اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ یُبَلِّغُنِیْ حُبَّکَ۔

اے اللہ! میں تجھ سے تیری محبت طلب کرتا ہوں اور اسکی محبت طلب کرتا ہوں جو تجھ سے محبت رکھتا ہے اور وہ عمل چاہتا ہوں جو مجھے تیری محبت تک پہنچاوے۔

- اِذَا غَضِبَ اَحَدُکُمْ وَھُوَ قَائِمٌ فَلْیَجْلِسْ فَاِنْ ذَھَبَ عَنْہُ الْغَضَبُ وَاِلَّا فَلْیَضْطَجِعْ۔

تم میں سے اگر کسی کو ایسے حال میں غصّہ آئے کہ وہ کھڑا ہو تو اسے چاہیئے کہ بیٹھ جائے پس اگر (ایسا کرنے سے) غصہ ختم ہو جائے (تو بہتر) ورنہ چاہیئے کہ لیٹ جائے۔

- اِیَّاکُمْ وَالْحَسَدَ فَاِنَّ الْحَسَدَ یَاْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَاْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ۔

حسد سے بچو! (کیونکہ) حسد نیکیوں کو اس طرح کھالیتا ہے جیسے آگ لکڑی کو۔

- مَنْ بَنٰی لِلّٰہِ مَسْجِدًا بَنَی اللّٰہُ لَہٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ۔

جو اللہ کے لیے مسجد تعمیر کرتا ہے۔ اللہ اس کے لیے جنت میں گھر بناتا ہے۔

- مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ فَھُوَ فِیْ نَفْسِہٖ صَغِیْرٌ وَفِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ

جس نے اللہ کے لیے تواضع اختیار کی تو وہ اپنے نزدیک تو چھوٹا ہوتا ہے، مگر لوگوں کی نظر میں بڑا ہوتا ہے اور جس نے

عَظِيْمٌ۔ وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللّٰهُ فَهُوَ فِيْ اَعْيُنِ النَّاسِ صَغِيْرٌ وَفِيْ نَفْسِهٖ كَبِيْرٌ حَتّٰى لَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِمْ مِنْ كَلْبٍ وَّخِنْزِيْرٍ۔

تکبر کرتا ہے حق تعالیٰ اسے گرا دیتا ہے۔ پھر وہ لوگوں کی نظروں میں تو حقیر ہوتا ہے اور اپنے دل میں ہی بڑا ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ لوگوں کے نزدیک وہ کتے اور سور سے بھی زیادہ ذلیل ہوتا ہے۔

- مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يَعْرِفْ حَقَّ كَبِيْرِنَا فَلَيْسَ مِنَّا۔

جو شخص ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور بڑوں کا حق نہیں پہچانتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

- اَلْكَبَائِرُ الْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَالْيَمِيْنُ الْغَمُوْسُ۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنی، کسی کو ناحق قتل کرنا اور جھوٹی قسم کھانا کبیرہ گناہ ہیں۔

- مَنْ رَّاٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذَالِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ۔

جو کوئی تم ہی سے کسی منکر (ناجائز) کام کو دیکھے تو اسے چاہیئے کہ اپنے ہاتھ سے اسکو روکے۔ اگر اتنی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکدے اگر اسکی بھی استطاعت نہ ہو تو پھر دل سے (اسے بُرا جانے) اور یہ ایمان کا کمزور درجہ ہے۔

- خَيْرُكُمْ مَنْ يُّرْجٰى خَيْرُهٗ وَيُؤْمَنُ شَرُّهٗ وَشَرُّكُمْ مَنْ لَّا يُرْجٰى خَيْرُهٗ وَلَا يُؤْمَنُ شَرُّهٗ۔

تم میں سے بہتر وہ ہے جس سے خیر و بھلائی کی امید رکھی جائے اور اسکی طرف سے شر کا اندیشہ نہ ہو اور تم میں سے بدترین وہ ہے جس سے بھلائی کی توقع نہ رکھی جائے اور شر کے بارے میں اطمینان نہ ہو۔

- اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيْرِ وَالْاَصْنَامِ۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی خرید و فروخت کو حرام کر دیا ہے۔

- اَحَبُّ الْبِلَادِ اِلَى اللّٰهِ مَسَاجِدُهَا وَاَبْغَضُ الْبِلَادِ اِلَى اللّٰهِ اَسْوَاقُهَا۔

شہروں کا پسندیدہ (حصہ) اللہ کے نزدیک مساجد ہیں۔ اور ناپسندیدہ (حصہ) بازار ہیں۔

مغتنماتِ دھر

مولانا ابواحمد عبداللہ لدھیانوی

میں نے شوال ۱۳۹۱ھ کے شمارہ میں حضرت مولانا رسول خاں نور اللہ مرقدہٗ کے متعلق اداریہ میں یہ تحریر کیا تھا کہ کوئی بزرگ اب شاید ہی ایسے موجود ہوں جنھوں نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہم سے اکتساب فیض کیا ہو۔

جناب مولانا احمد صاحب نے یہ مضمون پڑھ کر جو گرامی نامہ تحریر فرمایا ہے اس سے ایک اور بزرگ کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ بھی ایسی شخصیت ہیں جنھوں نے حضرت شیخ الہندؒ سے شرفِ تلمذ حاصل کیا ہے اور وہ ان کے والد ماجد ہیں۔ ہماری درخواست پر مولانا احمد صاحب نے حضرت شیخ الہندؒ کی اس سند کا عکس بھی ارسال فرمایا جو حضرتؒ نے ان کے والد ماجد کو عطاء فرمائی تھی۔ نیز اپنے والد ماجد کے مختصر حالاتِ زندگی بھی تحریر فرمائے ہیں۔ ذیل میں حضرت شیخ الہند قدس سرہ کی تحریر پر تنویر کا عکس اور مولانا احمد صاحب کے قلم سے ان کے والد ماجد کے حالات درج ہیں۔ اگر کسی صاحب کے علم میں اور بھی کوئی ایسے بزرگ ہوں تو مطلع فرمائیں تاکہ ہمیں اور موجودہ دور کے علماء کرام کو ان کا علم ہو جائے۔

حامد میاں عفرلہٗ

عکس تحریر حضرۃ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ

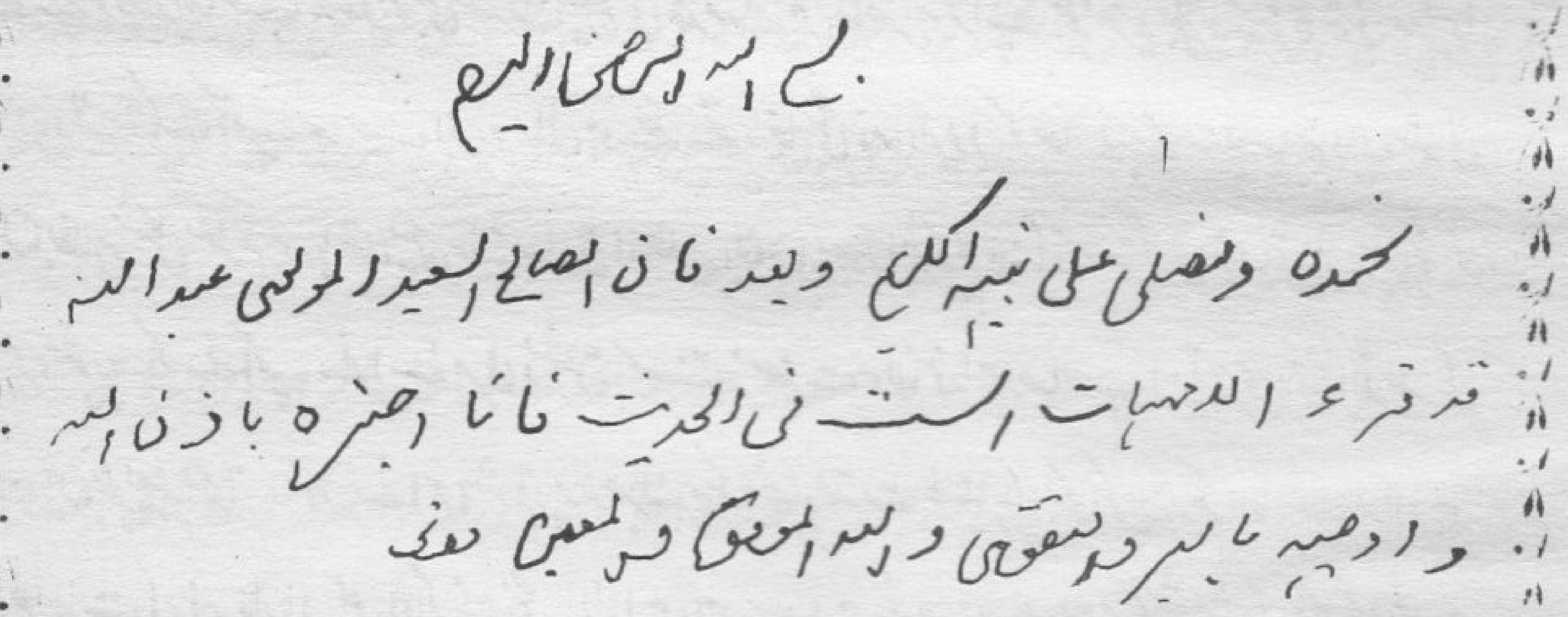

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی نبیہ الکریم وبعد فان الصالح السعید المولوی عبد اللہ

قد قرء الامہات الست فی الحدیث فانا اجزتہ باذن اللہ

واوصیہ بالبر والتقوی والیہ الموفق والمعین وحدہ

العبد

محمود عفی عنہ

یکم ذی قعدہ

سنہ ۱۳۳۴

والد مکرم حضرت مولانا ابو احمد محمدؐ عبد اللہ لدھیانوی دامت برکاتہم ضلع لدھیانہ کے موضع "بلیہ والی" کے رہنے والے ہیں۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب قدس سرہٗ سے حاصل کی، جو اپنے وقت کے

قطب، اہل اللہ اور صاحبِ حال تھے۔ والد ماجدؒ کی وفات کے بعد کچھ عرصہ لدھیانہ میں تعلیم حاصل کرکے امرتسر حضرت مولٰنا نور احمد صاحب اور حضرت مولٰنا مفتی محمد حسن صاحب قدس اللہ اسرارہما کے سایۂ تربیت میں رہ کر تحصیل علم میں مشغول رہے۔ بعدازاں ۱۳۲۸ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوکر چار سال تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد واپس لدھیانہ آکر دینی تعلیم و تبلیغ کے کام میں مشغول ہو گئے۔

اسیرِ مالٹا شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن قدس سرہٗ نے حضرت شیخ سید انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ کو اپنا جانشین نامزد فرماکر اسی سال ہندوستان سے مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی۔ دارالعلوم دیوبند میں تدریسِ حدیث پاک کا یہ آپ کا آخری سال تھا۔ اسی سال حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ نے خصوصی قلبی تعلق اور شفقت کی بنا پر والد ماجد (حضرت مولانا ابو احمد محمد عبد اللہ مدظلہٗ) کو اپنے دستِ مبارک سے ایک سند عطا فرمائی اور سلسلۂ طریقت "نقشبندی" میں بیعت بھی فرمایا۔

حضرت شیخ قدس سرہٗ کے ہجرت فرما جانے کے بعد والد صاحب دامت برکاتہم اپنے وطن لدھیانہ واپس آکر مدرسہ عزیزیہ میں بحیثیت اول مدرس تعلیم و تدریس دین میں مصروف رہے۔ جب حضرت شیخ سید انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت شیخ الحدیث اپنے علمی تبحر اور خداداد بے مثل دینی بصیرت سے تشنگانِ علوم دینیہ کو سیراب فرمانے لگے تو والد صاحب مدظلہٗ کو بھی حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے علم کو مزید جلا دینے کا شوق پیدا ہوا لیکن اس وقت تک آپ صاحبِ اہل و عیال ہو چکے تھے۔ خانگی ذمہ داریوں کو نبھانے کے ساتھ ساتھ اس شوق کا پورا کرنا بظاہر مشکل معلوم ہو رہا تھا، لیکن جذبۂ صادق اور طلبِ مخلصانہ ہو تو اللہ کریم لازماً دستگیری فرماتے ہیں، چنانچہ اس سلسلہ میں مشورہ کے لیے آپ نے اپنے مربی و مشفق استاذ حضرت مولانا نور احمد صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عریضہ لکھا۔ انہوں نے اس شوق پر نہ صرف یہ کہ اظہارِ مسرت فرمایا بلکہ لکھا کہ چونکہ تم صاحبِ اولاد ہو گھریلو اخراجات کی ذمہ داریاں بھی ادا کرنا ہونگی۔ لہٰذا میں اس سلسلہ میں تمہارے لیے پوری کوشش کرونگا۔ تمہیں دیوبند ضرور جانا چاہیئے اور حضرت شیخ سے ضرور استفادہ کرنا چاہیئے۔

ادھر دارالعلوم دیوبند کے مہتمم جناب مولانا حافظ محمد احمد صاحب اور نائب مہتمم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قدس اللہ اسرارہما کی خدمت میں بھی اسی شوق کو پورا کرنیکے سلسلہ میں خط لکھا اور ان سے مشورہ طلب فرمایا۔ ان دونوں حضرات نے بھی بکمال فرحت و مسرت قبول فرماتے ہوئے لکھا کہ جلد آجاؤ۔ دارالعلوم کی طرف سے حق المقدور امداد

کی جائیگی۔ دارالعلوم دیوبند سے یہ اطلاع آجانے کے ساتھ ہی حضرت مولانا نور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا امرتسر سے بھی خط آگیا کہ میں نے انجمن ترقی تعلیم امرتسر کی طرف سے چار سال کے واسطے بیس روپے ماہوار تمہارا وظیفہ منظور کروا لیا ہے اور پانچ روپے ماہوار یہاں کے ایک مخیر تاجر چرم تمہیں بھیجتے رہیں گے۔ اس کے علاوہ میں خود اپنی گرہ سے پانچ روپے ماہوار تمہیں بھیجتا رہونگا۔ اس طرح تیس روپے ماہوار کا چار سال تک کے لیے بندوبست ہو گیا۔

چنانچہ حضرت والد صاحب مدرسہ عزیزیہ لدھیانہ سے استعفا دیکر مع اہل وعیال دیوبند پہنچ گئے۔ حضرت شیخ سید انور شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت نے وجہ آمد پوچھی عرض کیا آپکی خدمت میں استفادہ کیلیے حاضر ہوا ہوں اور چار سال تک کے لیے بندوبست کر کے آیا ہوں، حضرت شیخ سن کر مسکرا دیئے۔ پھر حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قدس اللہ اسرارہما کی خدمت میں حاضر ہوئے دونو حضرات نے بہت ہی خوشی کا اظہار فرمایا اور دارالعلوم دیوبند میں ابتدائی اور درمیانے درجے کے کچھ اسباق آپ کے سپرد فرما دیئے اور پانچ روپے ماہانہ وظیفہ اور دو وقت درمیانے درجے کا کھانا مقرر فرما دیا۔

حضرت شیخ سید انور شاہ صاحب کی خدمت میں جب دو سال پورے ہوئے تو حضرت شیخ نے فرمایا کہ اب تم جاؤ اور دین کی خدمت کرو تمہارا مقصد پورا ہو چکا ہے۔ ان کے فرمان پر انکار کی گنجائش نہ تھی۔ حالانکہ یہ چار سال کا بندوبست کر کے گئے تھے۔ دیوبند سے واپسی پر لدھیانہ میں مدرسہ "اللہ والا" میں حضرت مولانا مفتی محمد نعیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مل کر تعلیم وتبلیغ دین کا کام شروع کیا۔

مدرسہ "اللہ والا" کے سالانہ جلسہ کے موقع پر حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہٗ بھی لدھیانہ تشریف لائے اور ایک عظیم الشان جلسہ ہوا۔ جس میں بھرے اجلاس میں تقریر فرماتے ہوئے جہاں علمائے کرام کا ایک بڑا مجمع موجود تھا حضرت شیخ سید انور شاہ قدس سرہٗ نے مولانا ابو احمد محمد عبداللہ صاحب کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ۔ "مجھے اس شخص کے علم و دیانت پر پورا اعتماد ہے"۔

یہ حضرت شیخ سید انور شاہ صاحب قدس سرہٗ کی طرف سے حضرت والد صاحب مدظلہ العالی کے لیے ایک "تقریری سند" تھی۔

آپ اسی مدرسہ میں کام کر رہے تھے کہ آپ کے برادر بزرگ حضرت مولا محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ وفات

پا گئے تو اہل دیہ انہیں مجبور کرنے لگے کہ آکر اپنے بزرگوں کا مسند سنبھالیں ۔ چنانچہ آپ نے موضع "بلیہ والی" میں اپنے استاذ مکرم حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب قدس سرہٗ کے ساتھ نسبت قائم کرتے ہوئے مدرسہ "انوریہ عربیہ" کے نام سے دینی ادارہ قائم کیا ۔ خدا کے فضل سے اس دینی ادارہ نے بہت ترقی کی اور اس کی شہرت ملک کے دُور دراز خطوں تک پہنچ گئی اور طلبہ علوم دینیہ نہایت ذوق وشوق سے کشاں کشاں اس مدرسہ میں علوم دین کے حصول کے لیے آتے رہے ، چنانچہ موقوف علیہ دورہ تک کتابیں ہونے لگیں ۔

انہی دنوں تحریکِ خلافت شروع ہوئی ۔ "بلیہ والی" حضرت مولانا ابو احمد محمد عبد اللہ کی سرکردگی میں گردو نواح کے تمام علاقے کے لیے تحریک کا مرکز بن گیا ۔ اس مدرسہ کے طلبہ تحریکِ خلافت کے سلسلہ میں گاؤں گاؤں ، بستی بستی جا کر عوام کو بیدار کرنے لگے ۔

پھر حضرت شیخ سید انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان پر یہ مدرسہ گاؤں سے لدھیانہ شہر منتقل کر لیا گیا اور لدھیانہ شاہی مسجد میں "مدرسہ انوریہ عربیہ" کے نام سے ہی دینی تعلیم و تدریس کا کام شروع کر دیا گیا ۔ آخر میں مدرسہ کی کمیٹی سے اختلافات کی بنا پر آپ نے مدرسہ سے علیحدہ ہو کر لدھیانہ ہی میں "دار العلوم نعمانیہ" کے نام سے نیا دینی ادارہ قائم فرمایا جو (۱۹۴۷ء) تقسیم ملک تک قائم رہا ۔ تقسیم کے بعد آپ پاکستان میں گوجرانوالہ آکر مقیم ہوئے ۔ اب اسی نام سے آپ کے زیرِ اہتمام دار العلوم نعمانیہ جاری ہے ۔ جس کے تین شعبہ جات ہیں (۱) شعبۂ تدریس و تعلیم دین (۲) شعبۂ نشر و اشاعت ۔ (۳) شعبۂ تبلیغ ۔

شعبۂ نشر و اشاعت کے ذریعہ آپ نے مختلف عنوانات کے تحت تقریباً ۲۸ عدد ضخیم کتابیں اور پمفلٹ ہزاروں کی تعداد میں چھپوا کر مفت تقسیم کیے ہیں جو پاکستان اور بیرون پاکستان مسلم وغیر مسلم ممالک کے سربراہوں اور احبابِ دانش کو بھیجے گئے ۔

حضرت والد صاحب مدظلہم نے پاکستان آکر اپنے استاذ و مربی حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری قدس سرہٗ کے دستِ حق پرست پر پھر بیعت کی ۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیعت فرمانے کے ساتھ ہی آپ کو اپنا خلیفہ مجاز قرار دیا اور چاروں سلسلوں میں بیعت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ۔ حضرت والد صاحب مدظلہٗ کی عمر اس وقت اَسّی سال کے لگ بھگ ہے ۔ صحت خدا کے فضل سے اچھی ہے اور دار العلوم نعمانیہ کے اہتمام کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے نیز تصنیف و تالیف میں مشغولیت کے علاوہ طلبہ کو پڑھانے میں بھی مشغول ہیں ۔ ●●

اُستاذ العلماء مولانا محمد رسول خان رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر

غم کے چند آنسو

حضرۃ مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی استاذ حدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

نالہ و فریاد سے اہلِ جہاں مانوس ہیں
ہم اسی زنجیر عالمگیر میں محبوس ہیں

یہ جہانِ رنگ و بو وابستۂ تقدیر ہے
اور فنا کے واسطے ہی آہ یہ تعمیر ہے

نغمۂ بلبل ہو۔ یا ہو اشک کا سیلِ رواں
مبتلائے غم ہو۔ یا خنداں ہو یا شاہِ جہاں

کوئی بھی قائم نہیں۔ یہ آشیاں سالم نہیں
آشیاں کے طائر و بزم جہاں دائم نہیں

انس و جنّ مأمور ہیں۔ ارض و سما مقہور ہیں
آفتاب و آب و مہ رفتار پر مجبور ہیں

کتنی رعنائی سے مستانہ رواں ہے قافلہ
ہائے ہر منزل میں پوشیدہ ہے موتِ قافلہ

تھا جنہیں ذوقِ فنا۔ دار البقا کے بن گئے
اور ہم محوِ تماشا۔ خود تماشہ بن گئے

محفلِ علم نبی اب سوز سے بیگانہ ہے
بجھ گئی وہ شمع جو مطلوب ہر پروانہ ہے

موت ہے آسان کتنی؟ کتنی مشکل زندگی
قیمتی بنتی ہے۔ اے غافل یہ مہمل زندگی

بحر و برّ میں دشت و در میں شہر و ویرانے میں موت
باغ میں، صحرا میں اور شاہوں کے کاشانے میں موت

قیس سا پیدا ہو۔ اس دنیا میں یہ ممکن نہیں
پھر بہار آئے چمن میں آہ یہ ممکن نہیں

تخم جو شانِ نبوّت کا دلوں میں بو گئے
کشتِ دل جب لہلہائی آہ اب وہ سو گئے

زندگی تیری تجلّی چشم بینا کے لیے
زیبِ محفل اور سراپا سوز دنیا کے لیے

رونقِ باغِ نبوّت کا نشاں تیری حیات
انجم و پروین و مہ کا بوستاں تیری حیات

بس سراپا خدمتِ دیں کا عَلَم تیری حیات
ہے کتابِ دھر میں زرّیں رقم تیری حیات

منبر و محراب گریاں۔ بزمِ دیں اندوہگیں
آج وہ خنداں ہیں جو رکھتے تھے بت در آستیں

موت ہو ایسی کہ جس پر رشک سب زندوں کو ہو
زندگی ایسی ہو، جو مطلوب سب بندوں کو ہو

دورِ حاضر کے

سیاسی اور اقتصادی مسائل

اور

اسلامی تعلیمات و اشارات

شیخ الحدیث حضرۃ مولانا سید محمد میاں دامت برکاتہم

(سلسلہ کے لیے ملاحظہ ہو شمارہ نمبر ۹)

(۱۰) فیٔ

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ مفتوحہ علاقے کی اراضی کو "فیٔ" کہا جاتا ہے اگر ان اراضی کو اصل باشندوں کے پاس رہنے دیا جائے اور منافع کے متعلق کوئی معاہدہ ہو جائے، تو اس آمدنی (خراج) کو بھی فیٔ کہا جاتا ہے۔ (کتاب الاموال لابی عبید ص ۱۶)

"اَمّا الفیٔ فھو الخراج عندنا خراج الارض" ابو یوسف ۔ (کتاب الخراج ص ۳۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دورِ مسعود میں یہ بھی کیا کہ خمس کا حصہ مستثنٰی کر کے باقی حصوں کی اراضی مجاہدین پر تقسیم کر دی اور ایسا بھی ہوا کہ کوئی دستہ کسی مہم پر بھیجا گیا۔ اس کے لیے کسی مخصوص حصہ کا وعدہ فرما لیا گیا کہ کامیابی کے بعد وہ حصہ اس دستہ کے مجاہدین کو (بطور انعام) دیا جائے گا۔ اس کو "نفل" کہا جاتا تھا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عراق فتح ہوا۔ فتح عراق کے سلسلے میں "معرکۂ قادسیہ" بہت سخت اور فیصلہ کن تھا۔ مفتوحہ علاقوں کے متعلق جو دستور اب تک رہا تھا۔ اس کی بنا پر جنگ قادسیہ کی کامیابی کے بعد ایک رائے یہ بھی کہ مفتوحہ علاقہ مجاہدین پر تقسیم کر دیا جائے۔ لیکن فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے سامنے ملک کی تعمیری و دفاعی خصوصاً عوام کی معاشی ضرورتوں کا سوال تھا کہ اگر مفتوحہ علاقہ مجاہدین پر تقسیم کر دیا جائے تو جاگیر دار تو بہت سے ہو جائیں گے جن کی جائدادیں نسلاً بعد نسلٍ ان کی اولاد میں تقسیم ہوتی رہیں گی۔ مگر ان کے علاوہ دوسرے لوگ خصوصاً بعد کی نسلیں

(آخر الناس)، "ببان" (خالی) رہ جائیں گی۔ (لَیْسَ مَعَہُم شَیٔ) لہٰذا آپ کی رائے یہ ہوئی کہ تقسیم کے بجائے ان اراضی کو "خزانہ" بنا دیا جائے۔ جس کو سب تقسیم کرتے رہیں گے۔

"اترکہا خزانۃً لہم یقتسمونہا" (بخاری شریف ص ۶۰۸ باب غزوہ خیبر وکتاب الاموال لابی عبید ص ۵۶ فقرہ ۱۴۳ (کتاب الخراج لابی یوسف ص ۲۴)

مشترک خزانہ کی وضاحت آپ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے:

"لئن بقیت لارامل اہل العراق لادعنّھم لایفتقرون الی امیرٍ بعدی"
(کتاب الخراج لابی یوسف رح ص ۳۷)

ترجمہ: اہلِ عراق کی بیوہ عورتوں کے نصیب سے اگر میں زندہ رہا تو انہیں ایسا کر دوں گا کہ میرے بعد کسی اور امیر (کے فرمان یا پروانہ) کی ان کو ضرورت نہ رہے گی۔

صحابہ کرام کے خیالات مختلف تھے، کچھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مخالف تھے کچھ موافق۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرات صحابہ کا عام اجتماع کیا۔ اس اجتماع میں ہر ایک نے آزادی سے اپنی رائے ظاہر کی۔ آخر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تقریر فرمائی۔ آپ نے سورۂ حشر کی وہ آیتیں پیش کیں جن میں مختلف طبقات (مہاجرین اور انصار) اور ان کی آئندہ نسلوں اور ان کے علاوہ تمام ضرورت مند مسلمانوں کا ذکر ہے۔ جو اب موجود ہیں یا آئندہ آنے والے ہیں۔ اور تقسیم کر دینے کے حکم کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ "لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً" وہ دولت مندوں کے قبضہ کی چیز بن کر نہ رہ جائے۔ ان آیات سے استدلال کرتے ہوئے آپ نے یہ تجویز پیش فرمائی:

"قد رایت ان احبس الارض بعلوجہا واضع علیہم فیہا الخراج وفی رقابہم الجزیۃ یؤدونہا" (کتاب الخراج ص ۲۵)

ترجمہ: میری رائے ہے کہ زمین کو کاشت کاروں کے پاس رہنے دوں زمینوں کا خراج مقرر کر دیا جائے اور کاشت کاروں پر جزیہ لگا دیا جائے۔

اس کانفرنس اور بحث مباحثہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ:

"فاجمع علی ترکہ وجمع خراجہ" (کتاب الخراج لابی یوسف ص ۲۷)

یہی طے ہو گیا کہ زمینیں کاشت کاروں کے پاس چھوڑ دی جائیں اور ان سے خراج وصول کیا جاتا رہے۔

لطیفہ : ممکن ہے آج کل کی سرکاری زبان ہیں کہہ دیا جائے کہ کاشت کاروں کو "بھومی دھر" بنا دیا گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے دورِ مسعود میں (۷ھ) خیبر فتح ہوا تو وہاں کے اصل باشندوں (یہود) سے طے کر لیا گیا کہ فی الحال وہ اپنی زمینوں اور باغات پر قابض رہیں گے اور پیداوار کا نصف حصّہ ادا کرتے رہیں گے۔ اس آمدنی ہیں ان چودہ سو مجاہدین کے حصّے مقرر کر دیے گئے جو اس غزوہ میں شریک تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو جو حصّہ ملتا تھا اس میں سے آپؐ نے ہر ایک زوجہ محترمہ کا حصّہ مقرر فرما دیا تھا۔ شرائط معاہدہ کے پیشِ نظر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان یہود کو خیبر سے تیما، اور اریحا منتقل کر دیا اور خیبر خالی کرا لیا تو اب آمدنی کے بجائے خیبر کی زمینیں اور باغات ان مجاہدین یا ان کے وارثوں کو دے دی گئیں اور ازواجِ مطہرات کو اختیار دے دیا کہ:

"ان یقطع لہنّ من الماء والارض او یمضی لہنّ۔"

(بخاری شریف ص ۳۱۳۔ کتاب الخراج لابی یوسف ص ۸۹)

وہ چاہیں تو ان کے حصّہ کے بموجب زمین اور پانی (یا کنواں یا چشمہ) دے دیں یا جس طرح جَو اور کھجور کی شکل میں ان کو نفقہ اب تک مل رہا ہے اسی طرح پیش کیا جاتا رہے۔

مختصر یہ کہ خیبر کی زمینیں کاشت کاروں سے لے کر مجاہدین کو دے دی گئیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس میں کوئی ترمیم نہیں کی۔ (یعنی ان اراضی کو بیت المال کے تصرف میں نہیں دیا) کیونکہ خلیفہ کو یہ حق نہیں ہے کہ جو بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے صراحت کے ساتھ ثابت ہو چکی ہے اس میں کوئی ترمیم کرے۔ لہٰذا جو تقسیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے میں ہوئی تھی، اس کو باقی رکھا۔ البتہ جنگِ قادسیہ کا ایک خاص معاملہ خاص طور پر مستحقِ توجہ ہے۔ اس سے توسیعِ بیت المال کا مفہوم بھی واضح ہو جائے گا۔

بجیلہ ۔ یمن کا مشہور طاقت ور قبیلہ تھا۔ حضرت جریر بن عبداللہ اس کے شیخ اور رئیس تھے۔ معرکہ قادسیہ کی تیاری ہو رہی تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"آپ اس معرکہ میں شرکت کریں۔ آپ کو عراق کا ایک تہائی یا ایک چوتھائی دے دیا جائے گا۔"

(یحییٰ بن آدم ص ۴۵)

حضرت جریر رضی اللہ عنہ اپنے قبیلے کو لے کر عراق پہنچے۔ جہاد میں شرکت کی۔ اہلِ قبیلہ نے اس کثرت سے جہاد میں شرکت کی کہ پوری فوج میں مجاہدین کی جو تعداد تھی اس میں ۲۵ فیصدی (ایک چوتھائی) اس قبیلہ کے مجاہدین تھے۔ دشمن پر ان

کا دباؤ بھی اتنا سخت تھا کہ دشمن نے اپنے اٹھارہ ہاتھیوں میں سے سولہ ان کے مقابلہ میں جھونک دیے اور صرف دو ہاتھی باقی فوج کے مقابلہ میں تھے۔ یہ بات تسلیم کر لی گئی کہ " باس الناس ھاھنا بجیلہ " (ابو یوسف ص ۳۱)

ترجمہ: اس میدان میں بجیلہ ہی نے دھاک جمائی ہے۔ (اور پالہ جیتا ہے)

اللہ تعالےٰ نے اس معرکہ میں کامیابی عطا فرمائی، تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حسبِ وعدہ مفتوحہ علاقہ کا ایک چوتھائی اس قبیلہ کے مجاہدین کو تقسیم کر دیا۔ تین سال تک یہ علاقہ ان کے پاس رہا۔ یہ اس کی آمدنی وصول کرتے رہے۔ "فاکلوہ ثلاث سنین" (ابو یوسف ص ۳۲)

مگر تین سال بعد (بروایت یحییٰ بن آدم دو یا تین سال بعد۔ بظاہر اراضی عراق کے متعلق مذکورہ بالا پالیسی طے ہونے کے بعد جدید بندوبست کے وقت ایسا ہوا کہ) حضرت جریر رضی اللہ عنہ کسی کام سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"یا جریر انی قاسم مسئول۔ لولا ذالک لسلمت لکم ماقسمت لکم ولکن اریٰ ان یرد علی المسلمین" (کتاب الخراج لابی یوسف ص ۳۲ ومعناہ عند یحییٰ بن آدم ص ۴۵)

ترجمہ: "جریر! میرا کام تقسیم کرنا ہے۔ میں جواب دہ ہوں۔ اگر جواب دہی کی ذمہ داری نہ ہوتی تو جو حصّہ میں تمہیں دے چکا تھا وہ تمہارے ہی سپرد رکھتا۔ لیکن اب میری رائے یہ ہے کہ یہ مسلمانوں کو واپس کر دیا جائے"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے ایک طے شدہ پالیسی کی بنا پر تھی۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ اس سے کب گریز کر سکتے تھے۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے اس علاقہ کو واپس کر دیا۔

فاجازہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بثمانین دینارا (ابو یوسف ص ۳۲ یحییٰ بن آدم ص ۴۵)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ کو بطور جائزہ (انعام پیش کش) اسّی دینار عطا فرمائے۔

ظاہر ہے عراق کا یہ چوتھائی علاقہ کاشت کاروں کو نہیں دیا گیا۔ یہ بیت المال کا قرار دیا گیا۔ اسی بنا پر بیت المال سے اسّی دینار دیے گئے۔ اس تغیّر اور تصرف کے بعد اس کی پوری آمدنی بیت المال کی رہی۔ جو بیت المال کے مصارف میں صرف ہوتی رہی۔

یہ توسیع بیت المال کی ایک شکل ہے۔ مجلسِ شوریٰ مصالح امّت کے پیشِ نظر اس پر بھی غور کر سکتی ہے۔
(کتاب الخراج لامام ابی یوسف ص ۶۸ ص ۶۹)

لیکن فقہا کی واضح تصریح یہ بھی ہے کہ کسی مسلم یا غیر مسلم کی کوئی ملک ادا قیمت کے بغیر نہیں لی جاسکتی ۔

لیس للامام ان یخرج شیئًا من ید احدٍ الّا بحق ثابت معروف (کتاب الخراج لابی یوسف رح ص۶۵

والتفصیل فی رد المختار فی باب العشر والخراج والجزیہ ص ۳۵۳ تا ص ۳۵۵ ج ۳)

البتہ قبیلہ بجیلہ کی طرح کوئی جماعت بطیب خاطر بیت المال کو ہبہ کر دے یا بیت المال کے عطیہ کو واپس کر دے تو وہ یقیناً عنداللہ وعندالناس مستحق شکریہ ہوگی اور طیب خاطر کے لیے خلیفۂ وقت کچھ عطا کر دے تو سنتِ فاروقی اس کی بھی اجازت دیتی ہے ۔ (واللہ اعلم بالصواب)

(۱۱) اجرت املاک (کرایہ الارض)

ملک کی تعمیر وترقی اور دفاعی لحاظ سے ملک کا استحکام حکومت کا مسلّمہ فریضہ اور ایک بنیادی مقصد ہے ۔ ضرورت اور حالات کے مطابق اس کی صورتیں طے کی جائیں گی اور ان پر عمل کیا جائے گا ۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ افتادہ یا لاوارث زمینوں کو کار آمد بنایا جائے ۔ اور اس طرح بیت المال کے محاصل میں اضافہ کیا جائے ۔ یہ زمینیں بیت المال کی ملک ہوتی ہیں ۔ اصطلاحاً ان کو "ارض الحوز" یا "ارض المملکت" کہا جاتا ہے ۔ یہ زمینیں عشری یا خراجی نہیں ہوتیں ۔ بیت المال ان کو فروخت بھی کرسکتا ہے ۔ ان میں کرایہ کے لیے مکان بھی بنوا سکتا ہے اور ان کو کاشت کے لیے اجرت یعنی کرایہ پر بھی دے سکتا ہے کہ کاشت کار مقررہ اجرت (کرایہ) ادا کرتے ہیں ۔ لیکن شرط یہ ہے کہ کاشت کاروں پر جبر و قہر قطعًا نہ ہو ۔ اس سلسلہ میں جاگیردارانہ نظام کی صورت بھی بن سکتی ہے ۔ مثلاً کاشت کاروں کی زندگی کسی رقبہ زمین کے ساتھ اس طرح جوڑ دی جائے کہ وہ وہاں سے کہیں نہیں جاسکتے اور پیداوار ہو یا نہ ہو ان کو مقررہ کرایہ لامحالہ ادا کرنا ہوگا ۔ شریعت نے اس کو جائز قرار نہیں دیا بلکہ حرام کہا ہے اور اس کی سخت ممانعت کی ہے ۔

واجبارہ علی السکنی فی بلدۃ متعیّنۃ یُعَسّر دارہ ویزدع الاراضی حرام (درمختار)

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ۔ (درمختار ، رد المختار ج ۳ باب العشر والخراج والجزیۃ)

ضرب یا قرض

ضرائب

(۱) جب کہ صرف نظریات پیش کیے جا رہے ہیں تو مصارف حکومت کے جملہ مدات کا بیان کرنا ضروری نہیں معلوم ہوتا ۔ یہ مختصر بات کافی ہے کہ دورِ حاضر میں سائنسی ترقیات اور دفاعی ضرورتوں کو خرچ کا سب

سے زیادہ وسیع، ضروری اور اہم مد قرار دیا جاتا ہے، لیکن اسلام کی نظر میں روحانی اور مادی تربیت حکومت کا سب سے اہم فرض اور بنیادی مقصد ہے۔ دفاعی ضرورتیں اضافی اور عارضی ہیں اور "تربیت" اصلی اور حقیقی ضرورت ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ الخلق عیال اللہ ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے۔

اور قرآن حکیم کا اعلان ہے کہ وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا۔ (سورہ ہود ۱۱ آیت ۶)

ترجمہ: زمین میں چلنے والا کوئی جانور نہیں ہے جس کی روزی کا انتظام اللہ پر نہ ہو۔

اور لطف یہ ہے کہ دستور اساسی یعنی (قرآن حکیم) میں دستور عطا فرمانے والے کا نام لیا گیا تو اس کا سب سے پہلا وصف وہی بیان کیا گیا جس کا تقاضا ہمہ گیر تربیت اور عمومی پرورش ہے۔

الحمد للہ رب العٰلمین

یہ اس دستور اساسی کا سب سے پہلا فقرہ ہے جس کو ہدیٰ اور بشریٰ بنا کر نازل کیا گیا۔

۲۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے متعدد ارشادات ان صفحات میں گذر چکے ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ جو صوبہ فتح کرکے اسلامی نظام حکومت میں داخل کیا گیا اس میں جو مالی نظام قائم کیا گیا۔ اس کا نصب العین یہ تھا کہ وہ بیوہ عورتیں جو گھروں میں پڑی ہیں۔ وہ چرواہے جو کسی دامن کوہ میں یا کسی دریا کے کھادر میں اپنے گلّے چرا رہے ہیں۔ ان کے وظیفے گھر بیٹھے ان کے پاس پہنچ جایا کریں۔ نہ کسی کو سفر کی زحمت اٹھانی پڑے نہ آفتاب کی تیز کرنوں سے چہرہ تپانا پڑے۔ (کتاب الخراج للامام ابو یوسف ص ۳۷ و ۴۶)

۳۔ جسمانی تربیت کے ساتھ روحانی اور اخلاقی تربیت یعنی تعلیم بھی اتنی ہی ضروری ہے۔ رب العٰلمین کا عطا فرمودہ دستور اساسی اس کو بھی اتنی ہی اہمیت دیتا ہے۔ اس سلسلہ میں کچھ اشارات "قانون یا تعلیم و تربیت اور تقسیم فرائض" کے باب میں گزر بھی چکے ہیں۔

ان ہمہ گیر فرائض کو سامنے رکھ کر آمدنی کا موازنہ کیا جائے گا۔ اگر آمدنی ناکافی ہے تو اس کو پورا کرنے کے لیے آجکل کی اصطلاح میں خسارہ کو ختم کرنے کے لیے اصحاب استطاعت سے مزید مطالبات کیے جائیں گے۔ ان مطالبات کو ضرائب کا عنوان دیا گیا ہے۔

۴۔ ضرائب کا عنوان دنیاوی حکومتوں کے قوانین کے لحاظ سے موزوں ہو سکتا ہے، مگر ایثار و اخلاص کی جو رُوح قرآن حکیم پیدا کرتا ہے۔ اس کے لحاظ سے یہ عنوان غیر موزوں ہی نہیں بلکہ توہین آمیز بھی ہے۔ ضرب کے معنی مقرر کرنا اور ضربیہ

(جس کی جمع ضرائب) ہے ٹیکس کو کہا جاتا ہے جو کسی پر مقرر کر دیا جائے۔ اس لفظ کے ایک رخ سے جبر و قہر اور دوسرے رُخ سے خود غرضی۔ تنگ دلی۔ ذخیرہ اندوزی اور حرص و طمع کی بو آتی ہے۔

گویا خلق خدا بھوک اور فاقہ سے تباہ حال ہے۔ ان کی زندگی برباد اور انکی اولاد کا مستقبل تباہ ہو رہا ہے۔ سرحدوں پر دشمن منڈلا رہا ہے، مگر اصحاب دولت کا دل نہیں پسیجتا۔ ان کے سینوں میں گوشت کے لوتھڑوں کی بجائے پتھر بھر دیئے گئے ہیں۔ لہٰذا ملک کے ارباب حل و عقد مجبور ہوتے ہیں کہ ان پتھروں میں جونک لگائیں اور ایسا قانون بنائیں کہ سنگدل سرمایہ داروں کی تجوریوں سے کچھ برآمد کیا جا سکے۔ قرآنِ حکیم اس کو فساد الارض قرار دیتا ہے۔

(مطالعہ فرمائیے۔ سورہ قصص ۲۸ آیت ۷۷، اعراف، آیت ۸۵، ۸۶۔ سورہ ہود ۱۱ آیت ۸۳، ۸۴ وغیر ذالک من الآیات)

جب آمدنی کے معینہ مدّات ناکافی ہوں گے تو بلاشبہ آمدنی بڑھانے کی ضرورت ہوگی اور کچھ ہنگامی محاصل جن کو آجکل اصطلاح میں "ایمرجنسی ٹیکس" کہا جا سکتا ہے۔ اغنیاء اور اہلِ ثروت پر عاید کیے جائیں انکو ضرائب کہا جاتا ہے۔ مالکی مسلک کے مشہور فقیہہ اور محدّث علامہ ابن حزم نے اس کے دلائل پیش کیے ہیں۔ (ملاحظہ ہو اسلام کا اقتصادی نظام از مجاہد ملت ص ۱۲۲، ۳۴۷ / ۳۵۴)

مگر قرآن حکیم نے ضربیہ (ٹیکس) نہیں بلکہ قرض کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور قرض بھی کسی اور کے لیے نہیں اللہ کے لیے اس لطیف اور وجد آفریں اصطلاح کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ کچھ اشارے یہاں بھی پیش کیے جا رہے ہیں۔

(۱) ابھی دعوتِ اسلام کا آغاز ہوا تھا کہ سورہ مزمل کی آخری آیت کے چند الفاظ میں پورا پروگرام پیش کر دیا گیا ہے۔

"نماز کی پابندی رکھو۔ زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کو اچھی طرح (یعنی اخلاص سے) قرض دو"۔

(۲) سورہ بقرہ کی آیت ۲۴۳ میں فرمایا گیا۔

"اللہ کے راستہ میں جہاد کرو"۔ اور یقین رکھو کہ اللہ سب سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے)

تو ساتھ ساتھ قرض کی ترغیب بھی فرمائی گئی۔ "کون ہے جو اللہ تعالےٰ کو خوش دلی کے ساتھ قرض دیتا ہے تاکہ اللہ تعالےٰ اس کا قرض دگنا چوگنا زیادہ کر کے ادا کرے۔ (سورۃ بقرہ - آیت ۲۴۵)

(۳) سورہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آخری آیتیں بار بار گزر چکی ہیں۔ جن میں ترغیب کے علاوہ تفہیم بھی ہے کہ قوم اور آپ دو جدا جدا چیزیں نہیں ہیں کہ ان کی ضرورتیں الگ ہوں جن کو قومی ضرورت کہا جاتا ہے۔ وہ خود آپ کی اپنی ضرورتیں ہیں۔ اگر بخل کرتے ہو تو خود اپنے آپ سے بخل کرتے ہو۔

سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا:

"اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور ایسا نہ کرو کہ (قومی ضرورتوں سے غافل ہو کر اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دو" (آیت ۱۹۴)

بایں ہمہ نوع انسان اور خلق خدا کے عمومی مفاد کو سامنے رکھ کر یہ قرض دیا جارہا ہے تو اللہ تعالےٰ خود اس کو اپنی مدد قرار دیتا ہے اور پختہ وعدہ کرتا ہے کہ۔

"جو خدا کی مدد کریگا یقیناً اللہ تعالےٰ بھی اس کی مدد فرمائے گا"۔

ولینصرن اللہ من ینصرہٗ ان اللہ لقوی عزیز (سورہ حج ۲۲ - آیت ۴۰)

یہ ہے اسلامی تعلیمات کے پیش نظر اقتصادیات کا مختصر خاکہ۔ حضرات اہلِ علم غور فرمائیں تو قرآن حکیم کے دریا۔ ناپیدا کنار سے بے شمار درہائے شاہوار حاصل کر سکتے ہیں۔ وفوق کل ذی علم علیم ط واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین ہ۔

(یہ مضمون ختم ہوگیا)

مدرسہ عربیہ دار العلوم مدنیہ رجسٹرڈ کوٹ ادو

اس دینی مدرسہ کی بنیاد شیخ التفسیر حافظ الحدیث مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی دامت برکاتہم نے رکھی اور حضرت شیخ ہی کی سرپرستی کا شرف اسے حاصل ہے۔ اس میں کثیر التعداد طلبہ مختلف اضلاع سے اور اندرون شہر قرآن مجید حفظ و ناظرہ سے لیکر موقوف علیہ دورہ حدیث شریف تک زیر تعلیم ہیں جن میں سے تقریباً تیس طلبہ کے جملہ مصارف بذمہ مدرسہ ہیں۔ سالانہ خرچ تقریباً دس ہزار روپیہ ہے۔ اہلِ خیر سے اپیل ہے کہ وہ کمرے بنوا کر ثواب حاصل کریں۔

(مولانا) محمد مسعود خادم دار العلوم مدنیہ۔ کوٹ ادو ضلع مظفر گڑھ

حضرت لاہوریؒ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب کی

مدلل اور نایاب کتاب

گانا بجانا

(قرآن و سنت کی روشنی میں)

دوبارہ چھپ کر تیار ہو گئی ہے۔ لکھائی، چھپائی عمدہ، سرورق دورنگا۔ قیمت ایک روپیہ پچیس پیسے، کتب فروشوں کیلئے خاص رعایت۔

توحیدی کتب خانہ۔ مدرسہ تعلیم القرآن۔ توحید نگر۔ چاکیواڑہ کراچی ۱

محترم سید امین گیلانی

غزل

تو ہی داتا تھا وہاں، جو تیرا دروازہ نہ تھا
تیری بندہ پروری کا مجھ کو اندازہ نہ تھا

حسنِ فطرت میں کشش ہے سادگی کے باوجود
میں نے دیکھا، چہرۂ گُل پر کوئی غازہ نہ تھا

پھر کسی کی یاد نے چونکا دیا کیوں دل کا درد
اشک خوں بہنے لگے، گو زخمِ دل تازہ نہ تھا

جمع تھیں نظروں میں کتنی پیاری پیاری صورتیں
منتشر جب تک ہمارے دل کا شیرازہ نہ تھا

ہم نے بھی منصور کی صورت انا الحق کہہ دیا
اب کسی کے لب پہ مدت سے یہ آوازہ نہ تھا

یوں اچھالے گا فقیری میں بھی تو شاہوں کے تاج
تیری جرأت کا ہمیں ہرگز یہ اندازہ نہ تھا

دل کا دروازہ بھی وا ہے گھر کا دروازہ بھی وا
تم جو آتے بند میرا کوئی دروازہ نہ تھا

جس قدر دنیا نے تجھ سے بے رخی کی اے امینؔ
یہ حقیقت میں تیری چاہت کا خمیازہ نہ تھا؟